مجلّہ سہ ماہی

رشد وہدایت

۲ جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء

مدیر تحریر

مولانا ضیاء الحق خیرآبادی



مدیر مسئول

مولانا عبدالعظیم قاسمی

مرکزِ اشاعت

مدرسہ تحفیظ القرآن

سکٹھی، مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ یوپی 276404

Email: zeyaulhaquekbd@gmail.com

مدرسہ تحفیظ القرآن سکٹھی مبارکپور کا دینی وعلمی واصلاحی ترجمان

سہ ماہی مجلّہ رُشد وہدایت

جلد نمبر:۲ | ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الاخری ۱۴۳۸ھ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۷ء) | شمارہ نمبر:۲

مرکزِ اشاعت: **مدرسہ تحفیظ القرآن**

سکٹھی، شاہ محمد پور، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڈھ (یوپی) 276404

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

زرِ تعاون

سالانہ: 100/=

فی شمارہ: 25/=

خصوصی: 1000/=

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

افتتاحیہ

از: مولانا ضیاء الدین صاحب قاسمی ندوی

دارالعلوم تحفیظ القرآن کا پہلا جلسۂ دستار بندی ۷/ مارچ ۲۰۱۷ء بروز منگل بعد نماز عشاء، حضرت مولانا محمد راشد صاحب قاسمی خیرآبادی استاذ حدیث جامعہ مطلع العلوم بنارس کی صدارت میں منعقد ہوا۔ بحمد اللہ دارالعلوم کا یہ پہلا اجلاس ہر اعتبار سے انتہائی کامیاب اور تاریخ ساز تھا کہ پہلی بار سکٹھی مبارکپور کی سرزمین پر کسی جلسے کی مناسبت سے اتنا بڑا عوامی مجمع ہوا، اور مختلف مدارس کے نظماء وصدور اور علما اتنی کثرت سے تشریف لائے۔ سکٹھی جو مبارکپور سے متصل ایک گرام پنچایت ہے اور عملی طور پر مبارکپور کا ایک محلّہ بن چکا ہے، اس نے شاید اپنی تاریخ میں پہلی بار ۴۰/ سے زائد علماء حق اور صلحاء امت کے قدوم میمنت لزوم سے اپنے وجود کو فیض بخشا اور ۳۰/ حفاظ طلبہ کے سروں پر دستار بندی کا روح پرور منظر دیکھا ہوگا۔ کسی کے تصور وخیال میں بھی یہ بات نہ رہی ہوگی کہ اکیسویں صدی کی پہلی دہائی کے اختتام پر ایک پچیس سالہ نوجوان فاضل کے عزم وحوصلہ سے اللہ تعالیٰ وہ کام لیں گے جو جہاں دیدہ اور بلند مراتب افراد بھی نہ کر سکے۔ بانی دارالعلوم تحفیظ القرآن مولانا عبدالعظیم قاسمی نے نامساعد حالات اور اپنے ہی خاندان کے سرپرستوں کی بے رغبتی اور بے توجہی کے باوجود محض اللہ کی رضا اور علوم دینیہ کی اشاعت وحفاظت کے جذبۂ صادق سے ۲۰۰۹ء (۱۴۳۰ھ) میں تحفیظ القرآن کے نام سے ایک مکتب کا آغاز کیا تھا۔ ممبئی کی اپنی اچھی خاصی پرائیوٹ ملازمت کو ترک کرکے نونہالان ملت کے سینوں کو حفظ قرآن کی دولت لازوال سے معمور کرنے کے لیے، تدریسی کام اپنی آبائی مسجد میں شروع کیا، رات دن کی محنت اور تگ ودو سے دو تین سال کے اندر کئی اساتذہ کرام کی خدمات حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ وسیع وعریض قطعۂ اراضی کا نظم کیا، پھر اسی پر دو منزلہ شاندار درس گاہ تعمیر کرائی، ۳۵/ سال سے نامکمل پڑی جامع مسجد ''دارالسلام'' کی تکمیل کراکے پنجوقتہ نماز شروع کرائی، اور عنقریب جمعہ کا بھی آغاز ہو جائے گا، مکتب کے پرانے درجات کے علاوہ ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے نام سے نسواں مدرسہ شروع کیا، جس میں عربی دوم تک تعلیم کا بندوبست بھی ہوگیا، مزید

برآں شعبۂ تحفیظ القرآن کے تین درجات قائم کئے اور فارسی وعربی دوم تک باضابطہ تعلیم جاری ہوئی۔

دارالاقامہ میں مبارکپور وسکٹھی کے علاوہ بیرونی طلبہ کی اچھی خاصی تعداد اور اساتذہ وملازمین کا ۳۵/افراد پر مشتمل اسٹاف، زمین کی خریداری یہ سب حیرت انگیز کارنامے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ایک نوجوان فاضل بندے سے محض سات آٹھ سال کی قلیل مدت میں کرواکر، اپنی نصرت واعانت کا منظر اس دستار بندی کے عظیم الشان اجلاس میں ہزاروں افراد کو دکھایا۔

سات سال میں دارالعلوم تحفیظ القرآن کے شعبہ حفظ وقراءت سے فارغ یوپی وبہار اور دیگر صوبہ جات کے ۳۰/حفاظ کی دستار بندی کا اجلاس اس مختصر وضاحت کے بعد، یقینی طور پر حیرت انگیز، تاریخ ساز اور مثالی تھا۔ خطیب اجلاس حضرت مولانا ڈاکٹر محمد اسجد صاحب مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ امدادیہ مرادآباد کے ولولہ انگیز خطاب کے علاوہ، جامعہ اسلامیہ مظفرپور ضلع اعظم گڑھ کے استاذ حدیث اور مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی ریسرچ سینٹر کے ذمہ دار مولانا سید جاوید احمد ندوی نے بھی اپنی تقریر میں فراخدلی کے ساتھ اپنے جذبات کا اظہار کیا اور قرآن کی عظمت وفضیلت پر بلیغ اسلوب میں اصولی باتیں عوام وخواص کو بتائیں۔ جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور کے ناظم اعلیٰ مولانا مفتی محمد یاسر صاحب قاسمی نے بھی اپنے مختصر بیان میں حفاظ قرآن کی ذمہ داریوں اور مراتب پر روشنی ڈالی، جب کہ مقرر خصوصی مولانا محمد اسجد صاحب قاسمی نے اپنے ایک گھنٹے کے پرجوش اور ولولہ انگیز خطاب میں قرآن مجید کے سات بنیادی حقوق پر مؤثر انداز میں روشنی ڈالی اور دارالعلوم تحفیظ القرآن کے معیار تعلیم کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ مقام مسرت وحیرت ہے کہ مدرسہ ہذا کے ۲/نوعمر حفاظ عزیزم محمد شارق وعزیزم محمد قاسم نے ایک مجلس میں پورا قرآن مجید سنا کر یہ ثابت کردیا کہ جب انداز تعلیم وتربیت میں اخلاص ومحنت کی روح ہوتی ہے تو ایسے ہی باکمال حفاظ تیار ہوتے ہیں اور والدین کی بخشش، اساتذہ کی عظمت اور ادارہ کی شہرت کا ذریعہ بنتے ہیں۔

مذکورہ علماء کرام کے علاوہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے جن علماء کرام وبزرگان ملت نے اجلاس کو زینت بخشی اور منتظمین کا حوصلہ بڑھایا، ان میں سے چند حضرات یہ ہیں:

حضرت مولانا محمد اصغر صاحب قاسمی استاذ تفسیر وفقہ جامعہ حسینیہ جون پور

حضرت مولانا عبدالمعید صاحب قاسمی صدر جمعیۃ علماء ضلع اعظم گڑھ

حضرت مولانا محمد اطہر صاحب قاسمی خیرآبادی استاذ حدیث جامعہ مطلع العلوم بنارس

حضرت مولانا مفتی منظور احمد صاحب صدر مفتی جامعہ عزیزیہ سہریاواں نظام آباد
حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب ندوی استاذ وسابق صدر مدرس جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا مفتی جاوید اختر صاحب خیر آبادی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا ابرار احمد صاحب بھیروی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا نوشاد احمد صاحب معروفی استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا عبدالباسط صاحب ولید پوری استاذ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت قاری وسیم احمد صاحب خیر آبادی صدر شعبہ حفظ مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیر آباد
حضرت مولانا شفیق احمد صاحب قاسمی صدر مدرس مدرسہ دارالعلوم برئی پور محمد آباد
حضرت مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب قاسمی ناظم جامعہ رحمانیہ ولید پور
حضرت مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی ناظم مدرسۃ البنات جین پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا فرحت افتخار صاحب قاسمی استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ
حضرت مولانا محمد احمد صاحب سکندر نوادوی استاذ جامعہ تعلیم الاسلام شہر اعظم گڑھ
حضرت مولانا محمد ارشد صاحب اعظمی صدر مدرس جامعہ تعلیم الاسلام شہر اعظم گڑھ
حضرت مولانا مفتی عبدالباسط صاحب الہ آبادی صدر مدرس مدرسہ دارالقرآن سون بزرگ اعظم گڑھ
مولانا شمیم احمد صاحب سکھٹی (مقیم حال امریکہ)
مولانا ڈاکٹر شمشاد احمد صاحب قاسمی، بندرا بازار
جناب نسیم احمد صاحب سکھٹی (مقیم حال مکہ مکرمہ)
جناب محمد شعیب صاحب اعظم گڈھ

☆☆☆☆☆

اداریہ ﷽

آغاز سخن

از:۔ مدیر تحریر

(۱)

بھارتیہ جنتا پارٹی کی شبیہ ایک مسلم مخالف سیاسی پارٹی کی ہے، کیونکہ یہ آر ایس ایس جیسی فرقہ پرست تنظیم کی سیاسی شاخ کے طور پر وجود میں آئی ہے، جن سنگھ سے بھارتیہ جنتا پارٹی بننے کے طویل وقفہ میں اس نے اپنی سیاست کو مسلم مخالفت کے اصول پر جاری رکھا ہے، اس لئے مسلمانوں نے ہمیشہ بی جے پی کو شک وشبہ اور تشویش کی نظر سے دیکھا ہے اور اس کے اقتدار کو اپنے لئے خطرہ کی گھنٹی سمجھا ہے ۲۰۱۴ء میں بی جے پی جب اکثریت کے ساتھ مرکز میں آئی تو اس کے لیڈران نے یکساں سول کوڈ، تین طلاق، لو جہاد اور گاؤکشی وغیرہ جیسے موضوعات پر زہریلا بیان دینا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے مسلم دہشت گردی کو میڈیا کے سہارے اس قدر اچھالا گیا کہ ہندو اکثریت کے نزدیک ہندوستانی مسلمانوں کی شبیہ ''ہندستان مخالف اقلیت'' کی تصویر بن کر رہ گئی۔ وہ تو راجیہ سبھا میں بی جے پی کے ممبران اتنے کم تھے کہ آسانی سے کوئی مسلم مخالف قانون نہیں بن سکتا تھا۔

اب جبکہ حالیہ صوبائی الیکشن میں اتر پردیش کو بی جے پی نے فتح کر لیا ہے اور چار سو تین میں سے تین سو پچیس سیٹوں پر قبضہ کر کے تاریخ ساز کامیابی حاصل کر چکی ہے تو قانون سازی کی رکاوٹیں بھی ختم ہوگئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے باشعور طبقہ میں ایک قسم کا اندیشہ بلکہ خوف پایا جارہا ہے کہ اب نہ جانے آئندہ کیا ہوگا۔ سیاست میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے، اور کبھی خلاف توقع نتائج سب کو حیران کر دیتے ہیں، کسی کو بھی یہ امید نہیں تھی کہ بی جے پی ایسی زبردست کامیابی حاصل کر لے گی، اسی لئے بہت سی زبانوں پر یہ بات آرہی ہے کہ ووٹنگ مشینوں کے ساتھ بڑے پیانے پر چھیڑ چھاڑ کی گئی ہے، اور اس معاملے کو سپریم کورٹ میں لے جانے کی تیاری چل رہی ہے۔

اس الیکشن میں مسلمانوں نے حسب سابق سماجوادی اور بہوجن سماج پارٹی کو ووٹ دیا، ہاں یہ ضرور ہے کہ متحد ہو کر کسی ایک کو ووٹ نہیں دیا، اور یہ ہے بھی انتہائی دشوار بات! اس لئے اس پر مسلمانوں کو موردِ الزام ٹھہرانے سے زیادہ سیکولر پارٹیوں کا احتساب ضروری ہے جو بہار کے طرز پر کوئی متحدہ محاذ نہیں بنا سکیں، کیونکہ ہر ایک پارٹی یہی محسوس کر رہی تھی کہ نوٹ بندی کا درد عوام کو خصوصاً ان کے روایتی ووٹروں کو ان کے ساتھ باندھے رکھے گا اور وہ مسلمانوں کے اضافی ووٹ سے جیت جائیں گی، لیکن موجودہ نتائج نے سب کے پاؤں تلے زمین کھسکا دی ہے، اقتدار کی سیاست اور ملک کے مفاد کی سیاست میں یہی فرق ہوتا ہے، اگر ملک کا مفاد عزیز ہوتا تو ضرور یہ سر جوڑ کر کوئی مشترکہ لائحہ عمل تیار کرتیں۔

آئندہ یہ پارٹیاں کیا کریں گی، کون سی حکمت عملی تیار کریں گی یہ تو وہی جانیں، لیکن اصل مسئلہ تو مسلمانوں کے لئے پیدا ہو گیا ہے کہ صوبائی حکومت کا رویہ ان کے ساتھ کیا ہوگا، سلاٹر ہاؤس پر پابندی لگا کر اس حکومت نے اس کے اشارے بھی دیدیئے ہیں۔ بی جے پی نے یہ الیکشن ہندو بنام مسلم کے نام پر لڑا ہے، اور مذہب کے نام پر اکثریت کے ہر طبقہ کو اپنے سے قریب کیا ہے، حتیٰ کہ بسپا کا دلت ووٹ بھی بی جے پی کی جھولی میں گیا ہے، پچاسی ریزروسیٹوں میں پچہتر پر بی جے پی کی کامیابی اور اور صرف دو پر بسپا کی کامیابی اس کا منہ بولتا ثبوت ہے، اسی طرح سماجوادی کا یادو ووٹ بھی بھاجپا کی گود میں چلا گیا، حالانکہ انھیں بخوبی اندازہ ہے کہ بھاجپا اور آر ایس ایس اونچی ذات کے ہندوؤں کی پارٹی ہے، اور دلت، یادو، کرمی سب ان کے نزدیک نیچی ذات کے ہیں، لیکن مسلمانوں کی نفرت میں یہ سب اس کے شانہ بشانہ ہیں۔

یہ تو ان احوال کا بیان ہے جو پیش آچکے ہیں، سوال اب یہ ہے مسلمانوں کو کیا کرنا ہے؟ مادی اور سیاسی اعتبار سے ان کی راہیں مسدود نظر آرہی ہیں، ہزار یقین دہانیوں کے باوجود موجودہ حکومت اپنی مسلم مخالف پالیسیوں سے باز آنے والی نہیں ہے، ''سب کا ساتھ سب کا وکاس'' تو محض ایک نعرہ ہے، اصل مقصد تو ہندو راشٹریہ کی تشکیل ہے جس کے لئے آر ایس ایس لگا تار پچانوے سال سے محنت کر رہی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس نے ہندو اکثریت کو بھگوا رنگ میں رنگ دیا ہے، ہر شعبہ میں آر ایس ایس کے ورکر داخل ہو چکے ہیں، سیکولر مزاج کے ہندو دن بدن کم ہوتے جا رہے ہیں، اور ان کی نئی نسل پوری طرح آر ایس ایس سے متاثر ہے۔

اس کے برعکس تقسیم ہند کے بعد مسلمانوں کو جن حالات سے سابقہ پڑا اس کے پیش نظر دور اندیشی، فراست اور ایمانی بصیرت کا تقاضا تھا کہ سب سے زیادہ اپنے اسلامی اتحاد اور تشخص کو باقی رکھنے پر محنت کی جاتی، اپنے مسلکی اور فروعی اختلافات کو پس پشت رکھ کر باہر کی دنیا میں ملت واحدہ کی حیثیت سے اپنی شناخت کو باقی رکھنے پر توجہ دی جاتی، اس حقیقت کو ہر طبقے اور ہر مکتبۂ فکر کے علماء اور قائدین جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی بقا اور ان کے تحفظ کی اصل ضمانت ان کے ملی اتحاد میں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا سب سے بڑا ایشو یہی باہمی اختلافات رہے، جبکہ دوسری طرف آر ایس ایس اور اس کی ذیلی تنظیمیں ہندو بچوں پر توجہ دیتی رہیں اور ششو مندر کے نام سے نرسری اسکولوں کا جال بچھا دیا اور اسی کے ساتھ کالج اور یونیورسٹی کے طلباء پر بھی اپنی توجہ مرکوز کی، اور ایک منصوبہ بند اور منظّم پلان کے تحت ان بچوں کے ذہنوں میں مسلمانوں اور مسلم حکمرانوں کے خلاف زہر بھرنے کا کام شروع کیا، جس کے برگ و باراب ہمارے سامنے ہیں، اس محنت کے نتیجے میں آج پوری تین ایسی نسل وجود میں آ گئی جو بالکل بھگوا رنگ میں رنگی ہوئی ہے، آج اسی نسل نے ووٹر بن کر بھاجپا کو اقتدار تک پہونچایا ہے۔

مسلمانوں کے زوال وادبار کی یہ داستان کوئی نئی چیز نہیں ہے، لیکن یہ داستان جہاں جہاں بھی شروع ہوئی، اس میں کلیدی اور بنیادی عوامل یہ تین رہے ہیں، جن کی وجہ سے اللہ نے غیروں کو ہمارے اوپر مسلط کیا :

(۱) مسلکی جھگڑے، مناظرے، مباحثے اور ایک دوسرے کا رد

(۲) لذت کوشی، خودنمائی اور جاہ طلبی

(۳) صبر واستقامت کا دامن چھوڑ دینا، جذباتیت اور علاقائیت

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ سقوط بغداد کا سبب مسلکی مناظرے اور مباحثے ہی بنے، شیعہ سنی جھگڑوں نے خلافت عباسیہ کی چولیں ہلا ڈالیں، آخر کار ایک وزیر علقمی نے ہلاکو خاں کو بغداد آنے کی دعوت دی، پھر جو ہوا دنیا جانتی ہے۔

اندلس کی بربادی کا سبب عیش وعشرت اور لذت کوشی تھی، یہی چیز سلطنت مغلیہ کو بھی لے ڈوبی، محمد شاہ کا یہ جملہ جو نادر شاہ کے حملہ کی خبر پا کر اس نے کہا تھا تاریخ کا حصہ بن چکا ہے ''ہنوز دلی دور است''

سلطنت عثمانیہ کے بکھرنے میں جذباتیت اور علاقائیت کا دخل نمایاں ہے، عربوں کے

جذبات کوانگریزوں نے ابھارا کہ تم عرب ہوکرترکوں کے ماتحت ہو،تمہارا اپنا علاقہ اور وطن سب سے افضل ہے،تم اعلیٰ وبرتر قوم ہو،لہٰذا جوعرب **نحن المسلمون** پرفخر کرتے تھے وہ **نحن العرب** کا نعرہ لگانے لگے، علاقائیت اور وطنیت کی یہ لَے ایک زمانہ میں اتنی تیز ہوئی ناصر کے عہد حکومت میں مصری اپنے آپ کوفخر سے نحن ابناء الفراعنہ(یعنی ہم فرعونوں کی اولاد ہیں) کہتے تھے۔

آج یہی حال ہندوستانی مسلمانوں کا بھی ہے،ان میں مسلکی اختلافات بھی عروج پر ہیں، علاقائیت اورذات برادری کا مرض بھی روزافزوں ہے، جذباتیت تو ان کا طرۂ امتیاز بن چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ثابت قدمی اورصبر واستقلال کے ساتھ کوئی کام نہیں کر پاتے ،اوران کی جوصورتحال ہے وہ آئندہ کیلئے بھی کوئی امید افزانہیں ہے۔موجودہ احساس اورخوف بھی چند روزہ ہے، کچھ وقت نہیں گزرے گا کہ پھر وہی بےفکری، ناعاقبت اندیشی ،مسلکی جلسے،ایک دوسرے پرالزام تراشی کا سلسلہ شروع ہوجائے گا،جبکہ ہرآنے والا وقت ان کے حق میں پہلے کے مقابلہ میں بد سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ اس کا علاج کیا ہے،اس سلسلے میں مَیں اپنے استاذ محترم حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی ایک تحریر پیش کرکے اپنی بات کوختم کرتا ہوں، واضح رہے کہ یہ تحریر آج سے سترہ سال قبل لکھی گئی تھی لیکن محسوس ہورہا ہے ابھی کل ہی لکھی گئی ہو،اللہ مولانا کوکروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے:

آج اس ملک میں عموماً اور مسلمانوں کے حق میں خصوصاً جوگورنمنٹ کا کردار اور طرزِ عمل ظاہر ہورہا ہے،مسلمانوں پر دینی، اقتصادی اورتعلیمی ہر اعتبار سے حلقہ کیا جارہا ہے،ہم یہ کہہ کر مطمئن ہوجاتے ہیں،دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں کہ یہ گورنمنٹ بہت بری ہے،اس کے عزائم خطرناک ہیں،اورکوئی شبہ نہیں کہ ملک کی اورصوبہ یوپی کی موجودہ حکومت نہایت منحوس اور بے برکت ہے،اس حکومت کے آنے کے بعد سے ملک کومسلسل زمینی وآسمانی آفات ومصائب کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔کبھی قحط ہے، کبھی سیلاب ہے،کبھی زلزلہ ہے،کہیں آگ لگتی ہے،تو کہیں طوفان آتا ہے، پھراخبارات میں،جلسوں میں،تقریروں میں،کانفرنسوں میں حکومت کے خلاف بہت لکھا جاتا ہے، بہت کچھ اسے برا بھلا کہا جاتا ہے،تجویزیں پاس ہوتی ہیں،نعرے لگتے ہیں،اہل حکومت کوعرضداشتیں پیش کی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے مگر اکثر تو ایسا ہی دیکھنے میں آیا کہ مسئلہ حل ہونے کے بجائے کچھ اورسنگین بن گیا۔

یہاں ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ جولوگ مصائب وآفات کا شکار ہورہے ہیں وہ اپنی اندرونی طاقت کا بھی جائزہ لیں ،کہیں خودان کی اپنی کمزوریاں تو نہیں ہیں جن کی وجہ سے شکاریوں کوحوصلہ ملا ہے کہ جیسے چاہیں ماریں ،کہیں ایسا تو نہیں ،حکومت کے جس ظلم وبے انصافی کے خلاف لوگ نعرے

لگا رہے ہیں اسی طرح کے ظلم اور بے انصافیوں کا جنون خود ان کے اندر بھی پھیلا ہوا ہو، وہ ہمارے دین ومذہب پر باہر سے حملہ انداز ہوں، لیکن ہم خود اپنے اپنے طور پر دین ومذہب کے احکام سے منحرف ہوتے جارہے ہوں، حکومت ہمارے مدارس اور مساجد کو نشانہ بنارہی ہے، لیکن دیکھیں تو سہی خود اہل مساجد اور اہل مدارس کا، مساجد کے ساتھ، نمازوں کے ساتھ، مساجد کے انتظام کے ساتھ، مدارس کے ساتھ، تعلیم کے ساتھ، طلبہ کے ساتھ، اساتذہ کے ساتھ، باہم کیسا معاملہ ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں یہیں کمزوری ہو، یہیں بیماری ہو، یہیں پر کوئی مہلک مرض ہو، جس کا سہارا پا کر باہری دشمن حملہ کرنے کی جرأت کررہا ہے۔

آیئے اس سوال کو ہم اپنے ہادی ورہبر، پیشوائے اعظم، سیّد الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جناب میں پیش کریں اور جو جواب وہاں سے ملے وہ ہمارے حرزِ جان ہونا چاہئے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ فرمارہے ہیں:

إن الله تعالىٰ يقول: أنا الله لا إلٰه إلا أنا أنا مالک الملوک وملک الملوک، قلوب الملوک فی يدی وإن العباد إذا أطاعونی حوّلت قلوب ملوکهم عليهم بالرحمة والرافة، وإن العباد إذا عصونی حوّلت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فأعذبهم سوء العذاب، فلاتشغلوا أنفسکم بالدعاء علی الملوک ولکن اشغلوا أنفسکم بالذکر والتضرع کی أکفيکم ملوککم (رواه ابو نعيم فی الحلية)[مشکوٰۃ شریف: کتاب الامارۃ والقضاء]

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں اللہ ہوں، میرے علاوہ اور کوئی معبود نہیں۔ میں بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ میں ہیں، بندے جب میری اطاعت کرتے ہیں، تو ان کے بادشاہوں کے قلوب کو رحمت ومہربانی کے جذبے کے ساتھ ان پر متوجہ کرتا ہوں، اور جب بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے دلوں کو غصہ اور انتقام کے جذبے کے ساتھ ان کے اوپر بدل دیتا ہوں، تو وہ انھیں سخت عذاب کا مزا چکھاتے ہیں، تو اے لوگو! اپنے آپ کو بادشاہوں کے برا بھلا کہنے اور ان پر بددعا کرنے میں مشغول مت کرو، بلکہ ذکر اور دعا کے اندر اور گریہ وزاری میں خود کو مشغول کرو، تاکہ تمہارے بادشاہوں کے مقابلے میں مَیں تمہاری حمایت وکفایت کروں۔

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ظلم وجبر کے مقابلے میں ظاہری تدابیر سے جو حد جواز میں ہوں، منع نہیں کرتا۔ دنیا میں اسباب کا سلسلہ مقاصد ونتائج کے ساتھ جڑا ہوا ہے، لیکن یہ اسباب دوہرے ہیں، انسان کو خارجی اسباب کے مقابلے میں داخلی اسباب پر توجہ زیادہ کرنی چاہئے، ہم حکومت کی غلط پالیسیوں کے خلاف دم خم دکھائیں، مظاہرہ کریں، تجویزیں پاس کریں، اپنی یکجہتی اور اتحاد کا منظر پیش

کریں، سب بجا، لیکن اس سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ زیادہ اہتمام اس بات کا کریں کہ جس کمزوری کو پاکر حکومت ہمارے دین وملت پر حملہ آور ہے، اس کمزوری کو ہم دفع کریں، شریعت کو اور احکام اسلام کو پہلے ہم اپنی ذات پر، اپنے خاندان پر، اپنے معاشرہ پر نافذ کریں، چاہے وہ ہمارے نفس، ہمارے اغراض اور ہمارے ظاہری مفاد کے کتنا ہی خلاف ہو۔ اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں، اور اللہ کی رضا سب جانتے ہیں کہ نفس اور خواہش نفس کی پیروی کرنے میں نہیں ہے، وہ اس خدائی ہدایت کی پیروی کرنے میں ہے جس کو دے کر آخری ہادی (ﷺ) کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

یہ دوطرفہ کوشش ومحنت ہی ہم کو کامیاب کرے گی، یک طرفہ محنت، جس میں اپنے نفس کو اور اپنے اغراض ومقاصد کو ہاتھ نہ لگانا پڑے، وہ کچھ زیادہ مفید نہیں ہے، اس صورت میں فساد کا ایک سوراخ بند ہوگا، تو دوسرے دس سوراخ کھلیں گے، کیونکہ سوراخ پیدا کرنے والا مادہ خود ہمارے اندر موجود ہے۔

یہ ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے، کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑیں، اور انتشار نہ پیدا کریں، تب اللہ کی رحمت وعنایت متوجہ ہوگی۔ (حدیث دردِ دل، ص:۱۷۹)

☆☆☆☆☆

(۲)

یادِ رفتگاں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک متعین وقت دے کر دنیا میں بھیجا ہے، جسے پورا کرکے ہر انسان اس کے حضور پہونچ جاتا ہے، کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر کسی کو بھی رنج نہیں ہوتا، کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے جانے پر کچھ لوگ رنج وغم محسوس کرتے ہیں۔ بعض ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جن کی رحلت پر ایک عالم اشکبار ہوجاتا ہے، جن کے جانے کی کسک ہر دل محسوس کرتا ہے، گزشتہ چند ماہ کے اندر اسی شان کی کئی ہستیاں ہم سے جدا ہوگئیں جن کا صدمہ ایک عرصہ تک محسوس کیا جاتا رہے گا۔

☆ ان میں ایک استاذی واستاذ العلماء، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد رشید، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نوراللہ ضریحہ کی ذات گرامی ہے، ۳۰/دسمبر ۲۰۱۶ء جمعہ کا دن گزار کر عشاء کے وقت ایک مختصر علالت کے بعد اپنے ہزاروں تلامذہ ومحبین کو چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ دوسرے دن مزار قاسمی میں تدفین عمل میں آئی، جس میں ہزاروں علماء وصلحاء نے شرکت کی۔ ان شاء اللہ حضرت مولانا پر تفصیلی

مضمون اگلے شمارہ میں آئے گا۔

☆ حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کی وفات پر ابھی دو ہی ہفتہ گزرا تھا کہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے ایک اور جلیل القدر شاگرد اور دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فاضل محدث جلیل استاذ العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب بانی جامعہ فاروقیہ کراچی وصدر وفاق المدارس پاکستان نے ۱۵؍جنوری ۲۰۱۷ء اتوار کو داعی اجل کو لبیک کہا۔

مولانا موصوف ۲۵؍دسمبر ۱۹۲۶ء کو ضلع مظفرنگر کے ایک قصبہ حسن پور لوہاری میں پیدا ہوئے ،آپ کا آبائی تعلق پاکستان کے آزاد قبائلی علاقے خیبر ایجنسی سے تھا۔ ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند سے دورہ حدیث میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے ،آٹھ سال تک مفتاح العلوم جلال آباد میں مولانا مسیح اللہ خاں صاحب کے زیر سایہ تدریسی خدمات انجام دیں ، اس کے بعد ۱۹۵۵ء میں پاکستان چلے گئے اور تین سال علامہ شبیر احمد عثمانی کے قائم کردہ مدرسہ دارالعلوم ٹنڈو الہ یار سندھ میں تدریسی خدمات انجام دینے کے بعد مفتی محمد شفیع صاحب کی دعوت پر دارالعلوم کراچی تشریف لے گئے ،یہیں پر مفتی محمد تقی عثمانی ومفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہما کو حضرت مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہوا، یہاں دس سال تک تفسیر ،حدیث ،فقہ ،فلسفہ وعربی ادب کی انتہائی کتابیں پڑھائیں۔جنوری ۱۹۶۷ء میں شاہ فیصل کالونی کراچی میں اپنا ادارہ جامعہ فاروقیہ کے نام سے قائم کیا،آپ کی مخلصانہ مساعی کی بدولت اس ادارہ نے حیرت انگیز ترقی کی اور اس وقت پاکستان کے ممتاز اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔آپ کی تدریسی زندگی ۷۰؍سالوں پر محیط ہے، اس عرصہ میں اللہ ہی جانتا ہے کتنے لوگ اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے ہوں گے۔ایک بار ۱۹۹۶ء میں اس سیہ کار کو بھی سفر پاکستان کے موقع پر استاذی حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب اعظمیؒ کے ہمراہ جامعہ فاروقیہ میں آپ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے، حضرت مولانا نے جس شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا تھا وہ ابھی ذہن ودماغ میں تازہ ہے۔

اخیر زمانے میں آپ کی درسی تقاریر کو مرتب کرکے شائع کرنے کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا، صحیح بخاری کی تقریر ''کشف الباری'' کے نام سے اور مشکوٰۃ المصابیح کی تقریر ''نفحات التنقیح'' کے نام سے شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ان کی خدمات دینیہ کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔آمین

☆ تیسرا حادثہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے شاگرد اور خلیفہ حضرت مولانا عبد

الحفیظ صاحب مکی کا سانحہ ارتحال ہے، آپ اس وقت جنوبی افریقہ کے دورہ پر تھے، اور وہیں مختصر علالت کے بعد ۱۷ر جنوری ۲۰۱۷ء منگل کو انتقال ہوگیا، آپ کو سعودی عرب کی شہریت حاصل تھی، چنانچہ لاش سعودی عرب لائی گئی اور ۱۹ر جنوری کو مسجد نبوی میں نماز جنازہ پڑھ کر بقیع میں اپنے استاذ و شیخ حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے جوار میں دفن کئے گئے۔

☆☆☆☆☆

ادھر چند ماہ قبل مدرسہ کے ناظم مولانا عبدالعظیم صاحب قاسمی کا خاندان مسلسل حوادث کی زد میں رہا اور ایک ماہ کے اندر یکے بعد دیگرے تین اموات ہوئیں، باری تعالیٰ ان کو اور ان کے خاندان کو اپنے حفظ و امان میں رکھیں اور اس ابتلاء و آزمائش پر اپنے شایان شان اجر عطا فرمائیں۔

☆ دسمبر ۲۰۱۶ء کے آخری ہفتہ میں ناظم صاحب کے چچا ڈاکٹر محسن صاحب کی صاحبزادی ولادت کے مرحلہ میں انتقال کرگئیں۔ ☆ اس حادثہ پر ایک ماہ بھی نہیں گزرا تھا کہ ان کے بڑے والد اسعد اللہ صاحب ۲۶ر جنوری ۲۰۱۷ء کو لکھنؤ میں انتقال فرماگئے، جہاں وہ بسلسلہ علاج ہاسپٹل میں تھے، لاش آبائی وطن سکٹھی لائی گئی اور یہیں تدفین عمل میں آئی۔ ☆ ڈاکٹر عبداللہ صاحب جو ناظم صاحب کے سب سے بڑے والد تھے اور خاندان کے سرپرست بھی، ان پر اپنے چھوٹے بھائی کی وفات کا سخت اثر ہوا، اور اسی صدمے نے ان کو بستر علالت پر ڈال دیا، آخر بھائی کی وفات کے ٹھیک دسویں دن ۴ر فروری ۲۰۱۷ء سنیچر کو وہ بھی سب کو چھوڑ کر بھائی کے پاس چلے گئے۔ اسی روز مغرب بعد تدفین عمل میں آئی۔

ان پے در پے صدمات کا جیسا اثر اہل خاندان پر ہوا ہوگا وہ ظاہر ہے۔ باری تعالیٰ صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائیں، ہوسکتا ہے کہ اگلے شمارے میں خود ناظم صاحب اس پر کچھ لکھیں۔

☆☆☆☆☆

پـــــــردہ

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ

درج ذیل مضمون مشہور صحافی وصاحب طرز ادیب حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی کا ہے، جو پردہ سے متعلق ہے۔ بے پردگی کی لہر تو اسی وقت سے چل رہی ہے جب انگریزوں کے منحوس قدم ہندوستان اور دنیا کے دوسرے خطوں پر پڑے تھے، مگر آج یہ لہر طوفان بن چکی ہے۔ ایسے وقت میں یہ مضمون سوچنے اور سمجھنے والوں کے لئے پردہ کی حکمت کی گرہوں کو ایجاز واختصار کے ساتھ کھولتا ہے۔ یہ مضمون ''صدق جدید'' (شمارہ ۵۱، جلد ۲) مورخہ ۲۷ر نومبر ۱۹۵۳ء کو شائع ہوا تھا۔

اصل موضوع تو بہت وسیع ہے، اور اس کے سارے اطراف وجوانب پر روشنی ڈالنے کے لئے ضرورت ایک پورے رسالے کی ہوگی، تاہم جو پہلو نہایت ضروری بلکہ بنیادی ہیں ان پر گفتگو ایک مختصر مقالے کے اندر بھی ممکن ہے۔ صدق کے بعض پرانے نمبروں میں مذاکرے بھی آچکے ہیں، بے علم مدیر کے قلم سے بھی اور ذی علم فاضلانِ عصر کے نام سے بھی!

سب سے پہلے تو یہ بات بطور اصل الاصول کے سمجھ لینے کی ہے، کہ شریعت اسلامی ایک مرتب ومکمل نظام کا نام ہے، جس کے سارے اجزاء ایک دوسرے سے مرتبط اور وابستہ ہیں، اور کسی ایک حکم پر بتمام وکمال عمل اسی وقت ہوسکتا ہے اور بہترین نتائج اسی وقت پیدا ہوسکتے ہیں جب ساتھ ساتھ عمل دوسرے احکام پر بھی ہوتا رہے، اور مشین کے سارے پُرزے ایک ساتھ حرکت میں رہیں۔ اگر حالات نے اس کلیت اور ہمہ جہتی کو ناممکن یا دشوار بنادیا ہے تو اوّل تو وہ عمل ہی کسی نہ کسی حد تک ناقص رہے گا، اور پھر اس سے نتیجے بھی خاطر خواہ سو فیصدی نہ نکل سکیں گے۔ پردہ وحجاب کا مسئلہ بھی تعلقاتِ مرد وزن کے دوسرے مسائل سے جدا اور بے تعلق نہیں ہے، اس نظامِ معاشرت کا اہم جز ہے، اور خود یہ نظامِ معاشرت بھی مستقل وقائم بالذات نہیں، یہ بھی عام نظامِ اسلامی کا ایک جزو یا اس کی ایک شاخ ہے۔

تو پردہ کے احکام جو اور جس قدر بھی ہیں ان پر پورا عمل درآمد تو اسی وقت ممکن ہے جب سارا

ماحول اسلامی ہو۔تعلیم اسلامی ہو،تربیت اسلامی ہو،عدالتیں اسلامی ہوں،معاشیت اسلامی ہو،وقس علیٰ ھذا......لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں کہ جب تک ساری فضا اسلامی نہ ہو اس وقت پردہ کے احکام سرے سے معطل رہیں گے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا (البقرۃ:۲۸۶)یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت کے بقدر ہی مکلّف بناتا ہے۔ایک ہمہ گیر خدائی کلیہ ہے،شریعت کے جس جزو پر جس حد تک بھی عمل ممکن ہوگا،قطعی اور بلا تردد ہوتا رہے گا۔قانونِ دیوانی وفوجداری اگر غیر اسلامی ہیں تو اس سے یہ نتیجہ ہرگز نہیں نکلتا کہ اس ملک میں نماز ادا کرنے،روزہ رکھنے میں کسی قسم کا تساہل رَوا رکھا جائے۔

مسئلۂ حجاب کے سلسلہ میں اہم ترین اصول یہ ہے کہ شریعت نے زنا کو ایک بدترین معصیت قرار دیا ہے اور مرد وزن کے زوجی تعلق کو بجز نکاح کے اور کسی صورت میں جائز نہیں رکھا ہے۔زنا کم وبیش دوسری قوموں میں بھی ایک جرم ہے،لیکن دنیا میں اکثر قوانین ایسے ہیں جن میں کوئی نہ کوئی گنجائش کسی حد تک اس کے لئے رکھی گئی ہے۔بعض ملکوں میں جرمِ زنا کی وہ صورت جس میں جبر واکراہ نہ ہو اور اگر طرفین کی رضامندی سے ہو تو کوئی جرم ہی نہیں،بعض قوموں میں عورت کو قید نکاح میں آنے سے قبل ہر قسم کی آزادیاں حاصل ہیں،بعض امتوں میں ساری پابندیاں صرف کنواریوں اور بن بیاہیوں کے لئے ہیں،شادی کے بعد بدچلنی کوئی جرم ہی نہیں رہ جاتی،کوئی کوئی قانون ایسا بھی ہے جس نے خطاوار صرف عورت کو ٹھہرایا ہے۔غرض دنیا کی اس افراتفری میں صرف شریعت اسلامی ہی ایسی ہے جس نے زناکاری کو ہر حال میں ایک جرم عظیم قرار دیا ہے،کوئی صورت مستثنیٰ نہیں رکھی ہے،مجرم مرد وعورت دونوں کو یکساں ٹھہرایا ہے،اور آخرت میں اس معصیت پر مواخذہ رکھنے کے علاوہ اپنی دُنیوی عدالتوں میں بھی اس کے لئے شدید ترین سزائیں رجم وتازیانہ کی رکھی ہیں،اور ثبوت جرم کے بعد اِجرائے حد کے وقت تاکید کردی ہے کہ ہرگز کوئی رُو رِعایت مجرموں کے ساتھ نہ ہونے پائے۔

پس جب زنا کا ایک بدترین جرم ہونا ذہن نشین ہوگیا تو اب اس کا ایک کھلا ہوا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ طبقہ یا دستور جو اس راہ میں آسانی پیدا کردے اور مرد وعورت کو اس منزل سے قریب لانے لگے،ناجائز اور ممنوع ہوگا۔عام اس سے کہ اس کی صراحت کتاب وسنت (یعنی شریعت کے دو اعلیٰ ماخذوں میں) موجود ہو یا نہ ہو۔اس ایک کلیدی نکتہ کے ہاتھ آجانے سے بہت سے سوالات کا حل از

خود نکل آیا اور کتنے ہی جزئیات پر علیحدہ علیحدہ گفتگو کی ضرورت ہی نہیں باقی رہی، تاہم شریعت نے جو بشر کی راہ میں سہولتیں پیدا کرنے کے حق میں حریص ہے چند موٹے موٹے جزئیات کی تصریح بھی کردی ہے، مثلاً یہ کہ:

(۱) مرد اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

(۲) عورتیں اپنی نظریں نیچی رکھیں۔

(۳) دونوں اپنے تحفظِ ناموس (حفظِ فروج) کا خاص خیال رکھیں۔

(۴) عورتیں اپنی زیب وزینت کی چیزوں کا مردوں پر اظہار نہ ہونے دیں۔

(۵) عورتیں اپنے زیورات کی آواز تک نامحرموں کے کان تک نہ پہونچنے دیں (اور اسی پر قیاس خوشبو کا بھی کیا جائے گا)

(۶) عورتیں اپنے جسم کے بیشتر حصوں کو چھپائے رکھیں۔

(۷) عورتیں اپنے لب ولہجہ اور آواز کی نزاکت سے مردوں کے نفس میں ہیجان کا سبب نہ بنیں۔

(۸) اچھی عورتوں کے لئے موقعِ مدح پر آیا ہے کہ اپنے گھروں میں وقار کے ساتھ رہتی ہیں۔

(۹) اچھی عورتوں کے لئے موقعِ مدح پر فرمایا گیا ہے کہ اپنی چال ڈھال میں اور ہر چیز میں حیا کو مقدم رکھتی ہیں۔

(۱۰) جو لوگ فحش اور گندے تذکرے اور چرچے کرتے رہتے ہیں وہ خود مجرم اور قابل تعزیر ہیں۔

حق کی طلب اگر دل میں موجود ہے، اور ذہن کسی خارجی زہر سے متاثر نہیں ہو چکا ہے تو اتنی ہدایتیں اس کے لئے کافی ہیں اور راستہ بالکل صاف کر دیتی ہیں۔ عورت مرد کا بلا ضرورت میل جول اور خوامخواہ یکجائی واختلاط بھی شریعت نے گوارہ نہیں کیا ہے، چہ جائیکہ ایسے مشغلے اور طریقے جو شہوانیت کی آگ بھڑکانے والے اور اس آگ پر تیل کا کام دینے والے ہیں۔ آزادانہ میل جول خصوصاً گانے بجانے کی تقریبوں کے موقع پر بے تکلفی سے ہنسنا بولنا، نیم برہنہ لباس، نیم فحش تصویریں، ہیجانی شعر وشاعری، عشقیہ ناول اور ڈرامے، شہوانی کھیل تماشے یا علوم وفنون، اس قسم کی ساری چیزوں کا حکم ہدایت بالا کی روشنی میں خود بخود نکل آیا، کسی مزید ردوقدح کے بغیر۔

لیکن اسلام بہر حال دینِ فطرت ہی ہے، کوئی شدید دشواری کسی حال میں بھی وہ نہ فرد پر عائد کرتا ہے اور نہ معاشرہ پر، عورت اور مرد دُنیا کے کاروبار میں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہو کر

کیونکر رہ سکتے ہیں؟ ان کا ایک دوسرے سے کسی حد تک سابقہ پڑتے رہنا تو ناگزیر ہے، اس لئے اس نے یہ حکم ہرگز نہیں دیا ہے کہ مرد و عورت کی یکجائی کسی حال میں اور کسی حد تک بھی نہ ہونے پائے۔ عام قاعدہ اس لئے علیٰحدگی کا بتا کر ضرورتوں کے سارے موقع کو مستثنیٰ کر دیا ہے، اور جو ضرورت جس درجہ کی اہم اور شدید ہے اسی نسبت سے استثنا کا بھی اطلاق ہوگا۔ نماز جیسی اہم اور مہتم بالشان عبادت میں صفوں میں حتی الامکان علیٰحدگی رہے، اور مسجد میں عورتیں اگر آ جائیں بھی تو سب سے پیچھے صف میں رہیں، اور مردوں کے اٹھنے سے قبل ہی اٹھ جائیں۔ یہ مثال اس عمومی ضابطۂ علیٰحدگی کی ہوئی، لیکن جب جنگ چھڑ جائے اور ہر مرد بطور سپاہی کے بھرتی ہونے لگے تو عورتوں سے متفرق خدمات، مرہم پٹی اور پانی پلانے وغیرہ کی لی جانے لگیں گی، یہ مثال اس استثنائے خصوصی کی ہوئی۔ بے تعصب طالب حق کو اس عام ضابطہ اور اس کے مستثنیات دونوں کو سمجھ لینے میں ان شاء اللہ کوئی دقت نہ ہوگی۔

یہیں سے یہ بھی واضح ہوگا کہ کتاب وسنت میں دوسرے اہم مسائل کی طرح اس اہم مسئلہ کے اصول وکلیات پورے اہتمام کاوش وتاکید اور تصریح کے ساتھ بیان کر دیئے گئے، باقی یہ کہ فلاں زمانہ اور فلاں ملک میں حجاب کے جزئیات کیا کیا ہونے چاہئیں، تو اس کا انحصار تو تمام تر اس وقت کے مقتضیات اور ماحول کی خصوصیت پر ہے، تمدنی ضرورتیں جس نوعیت اور جس درجہ کی ہوں گی، احکام جزئی ان ہی کے مطابق کتاب وسنت کی روشنی میں وضع ہوتے رہیں گے۔ قرآن مجید جو ہر ملک اور ہر زمانہ کے لئے ہے کیونکر ممکن تھا کہ ہر ہر ملک اور زمانہ کے لئے وہ بے شمار جزئیات کو اپنے اندر جمع کر دیتا، اگر ایسا ممکن ہوتا تو فقہ حنفی جیسے وسیع اور عظیم الشان فن کا آج وجود بھی نہ ہوتا، اور ان جزئیات در جزئیات کو متعین کرنا کسی فرد واحد کا کام نہیں، اس کے لئے ضرورت ہے کہ ملک کے اہل علم جو ایک طرف تقویٰ وتدین سے آراستہ ہوں اور دوسری طرف عصری ضروریات سے بھی پوری طرح باخبر ہوں اور مزاجِ ملت کے نبض شناس ہوں، کسی جگہ اکٹھا ہو کر مسئلہ کے سارے اطراف وجوانب پر نظر کر کے کوئی متفقہ لائحۂ عمل پیش کریں۔ دیارِ فرنگ سے آئی اندھا دھند آزادی جس کے شر وفساد سے خود اہل فرنگ بلبلا اٹھے ہیں، جس طرح وہ شریعت اسلامی کے مزاج سے کوئی دور کی مناسبت نہیں رکھتی، اسی طرح ہر قدیم رسم ورواج کو جو ہمارے بزرگوں نے وقت ومقام کی مصلحتوں سے اختیار کیا ہوگا، اس پر شدت سے جمے رہنا اور اس کو کتاب وسنت کا فرمان سمجھنا ہرگز صحیح دینداری نہیں۔

☆☆☆☆☆

اللہ پر توکل (بھروسہ کرنا) انبیاء کرام کا خصوصی شعار

(کیا روزی روٹی کے لیے ہماری جد وجہد کرنا توکل کے خلاف ہے؟)

ڈاکٹر محمد نجیب قاسمی سنبھلی (ریاض)

(www.najeebqasmi.com)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْن، وَالصَّلاۃُ وَالسَّلامُ عَلَی النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْن.

اللہ تعالیٰ پر توکل یعنی بھروسہ کرنا انبیاء کرام کے طریقہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی ہے۔ قرآن وحدیث میں توکل علی اللہ کا بار بار حکم دیا گیا ہے۔صرف قرآن کریم میں سات مرتبہ ''وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْن'' فرما کر مؤمنوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کی تاکید کی گئی ہے، یعنی حکم خداوندی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے والوں کو صرف اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئے۔۔۔

آیئے سب سے قبل توکل کے معنی سمجھیں۔توکل کے لفظی معنی کسی معاملہ میں کسی ذات پر اعتماد کرنے کے ہیں، یعنی اپنی عاجزی کا اظہار اور دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ کرنا توکل کہلاتا ہے۔شرعی اصطلاح میں توکل کا مطلب: اس یقین کے ساتھ اسباب اختیار کرنا کہ دنیاوی واخروی تمام معاملات میں نفع ونقصان کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔اس کے حکم کے بغیر کوئی پتا درخت سے نہیں گر سکتا۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اپنے وجود اور بقا کے لیے اللہ کی محتاج ہے۔غرضیکہ خالق کائنات کی ذات باری پر مکمل اعتماد کرکے دنیاوی اسباب اختیار کرنا توکل علی اللہ ہے۔اگر کوئی شخص بیمار ہوجائے تو اسے مرض سے شفایابی کے لیے دوا کا استعمال تو کرنا ہے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ جب تک اللہ تعالیٰ شفا نہیں دے گا دوا اثر نہیں کرسکتی۔یعنی دنیاوی اسباب کو اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نظام یہی ہے کہ بندہ دنیاوی اسباب اختیار کرکے کام کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ کرے، یعنی یہ یقین رکھے کہ جب تک حکم خداوندی نہیں ہوگا اسباب اختیار کرنے کے باوجود شفا نہیں مل سکتی۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا اونٹنی کو باندھ کر توکل کروں یا بغیر باندھے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: باندھو اور اللہ پر بھروسہ کرو۔ (ترمذی ۔ کتاب صفۃ القیامۃ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اہل یمن بغیر ساز وسامان کے حج کرنے کے لیے آتے اور کہتے کہ ہم اللہ پر توکل کرتے ہیں۔ لیکن جب مکہ مکرمہ پہنچتے تو لوگوں سے سوال کرنا شروع کردیتے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت (سورۃ البقرۃ ۱۹۷) نازل فرمائی: حج کے سفر میں زادِراہ ساتھ لے جایا کرو۔ (صحیح بخاری)

جو بھی اسباب مہیا ہوں انہیں اس یقین کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے کہ کرنے والی ذات صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے جب اپنی طویل بیماری کے بعد اللہ تعالیٰ سے شفایابی کے لیے دعا فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے پیر کو زمین پر ماریں۔ اب غور کرنے کی بات ہے کہ کیا ایک شخص کا زمین پر پیر مارنا اس کی بیسیوں سال کی بیماری کی شفایابی کا علاج ہے؟ نہیں۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم سے یہ کمزور سبب اختیار کیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان کے زمین پر پیر مارنے سے پانی کا ایسا چشمہ جاری کردیا جس سے غسل کرنے پر حضرت ایوب علیہ السلام کی بیسیوں سال کی بدن کی متعدد بیماریاں ختم ہوگئیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ کی تفصیلات کے لیے سورۃ الانبیاء آیت ۸۳ و ۸۴ اور سورۃ ص آیت ۴۱ سے ۴۴ کی تفسیر کا مطالعہ کریں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے اس واقعہ سے ہمیں متعدد سبق ملے، دو اہم سبق یہ ہیں۔ پہلا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادہ سے بھی حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دے سکتے تھے مگر دنیا کے دارالاسباب ہونے کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ کچھ حرکت کریں یعنی کم ازکم اپنے پیر کو زمین پر ماریں۔ دوسرا سبق یہ ہے کہ جو بھی اسباب مہیا ہوں ان کو اس یقین کے ساتھ اختیار کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکم سے کمزور اسباب کے باوجود کسی بڑی سے بڑی چیز کا بھی وجود ہوسکتا ہے۔

حضرت مریم علیہا السلام نے جب اللہ کے حکم سے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جنا تو اُن کے لیے حکم خداوندی ہوا کہ کھجور کے تنے کو ہلائیں یعنی حرکت دیں، اُس سے جب پکی ہوئی تازہ کھجوریں جھڑیں تو ان کو کھائیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے حضرت مریم علیہا السلام کو بغیر کسی سبب کے بھی کھجور کھلا سکتے تھے لیکن دنیا کے دارالاسباب ہونے کی وجہ سے حکم ہوا کہ کھجور کے تنے کو اپنی

طرف ہلاؤ۔ چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام نے حکم خداوندی کی تعمیل میں کھجور کے تنے کو حرکت دی۔ کھجور کا تنا اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ چند طاقت ور مرد حضرات بھی اسے آسانی سے نہیں ہلا سکتے ہیں لیکن صنف نازک نے اس کمزور سبب کو اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے سوکھے ہوئے کھجور کے درخت سے حضرت مریم علیہا السلام کے لیے تازہ کھجوریں یعنی غذا کا انتظام کر دیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ جو بھی اسباب مہیّا ہوں اللہ پر توکل کر کے اُنہیں اختیار کرنا چاہئے۔

اسباب تو ہمیں اختیار کرنے چاہئیں لیکن ہمارا بھروسہ اللہ کی ذات پر ہونا چاہئے کہ وہ اسباب کے بغیر بھی چیز کو وجود میں لا سکتا ہے اور اسباب کی موجودگی کے باوجود اس کے حکم کے بغیر کوئی بھی چیز وجود میں نہیں آ سکتی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلتی ہوئی آگ میں ڈالا گیا، جلانے کے سارے اسباب موجود تھے مگر حکم خداوندی ہوا کہ آگ حضرت ابراہیم کے لیے سلامتی بن جائے تو آگ نے انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ وہ آگ جو دوسروں کو جلا دیتی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کا سبب بن گئی۔ اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن پر طاقت کے ساتھ تیز چھری چلائی گئی مگر چھری بھی کاٹنے میں اللہ کے حکم کی محتاج ہوتی ہے، اللہ نے اُس چھری کو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن کو نہ کاٹنے کا حکم دے دیا تھا، لہٰذا کاٹنے کے اسباب کی موجودگی کے باوجود چھری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی گردن نہیں کاٹ سکی۔

اسباب وذرائع ووسائل کا استعمال کرنا منشائے شریعت اور حکم الٰہی ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے اسباب ووسائل کو اختیار بھی فرمایا اور اس کا حکم بھی دیا خواہ لڑائی ہو یا کاروبار۔ ہر کام میں حسب استطاعت اسباب کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا جائز وحلال طریقہ پر اسباب ووسائل کو اختیار کرنا، پھر اللہ کی ذات پر کامل یقین کرنا توکل علی اللہ کی روح ہے۔ اگر توکل علی اللہ کا مطلب یہ ہوتا کہ صرف اللہ کی مدد ونصرت پر یقین کر کے بیٹھ جائیں تو سب سے پہلے قیامت تک آنے والے انس وجن کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اس پر عمل کرتے حالانکہ آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا اور نہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم دیا بلکہ دشمنوں کے مقابلہ کے لیے پہلے پوری تیاری کرنے کی تاکید فرمائی۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ قرآن کریم میں اللہ پر توکل یعنی بھروسہ کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اختصار کے مدنظر یہاں صرف چند آیات کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ ''تم اُس ذات پر بھروسہ کرو جو زندہ ہے، جسے کبھی موت نہیں آئے گی'' (سورۃ الفرقان ۵۸) ''جب تم کسی کام کے کرنے کا عزم

کرلوتو اللہ پر بھروسہ کرو'' (سورۃ آل عمران ۱۵۹) ''جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ اس کے لیے کافی ہوجاتا ہے'' (سورۃ الطلاق ۳) ''بے شک ایمان والے وہی ہیں جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل نرم پڑ جاتے ہیں اور جب ان پر اس کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ آیات ان کے ایمان میں اضافہ کردیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں'' (سورۃ الانفال ۳)۔

ہمارے نبی نے بھی متعدد مرتبہ اللہ پر توکل کرنے کی تعلیم دی ہے، فی الحال صرف ایک حدیث پیش ہے: حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم اللہ پر توکل کرتے جیسے توکل کا حق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تم کو اس طرح رزق عنایت فرماتے جیسا کہ پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح سویرے خالی پیٹ نکلتے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔ (ترمذی) مشاہدہ ہے کہ پرندوں کو بھی رزق حاصل کرنے کے لیے اپنے گھونسلوں سے نکلنا پڑتا ہے، لیکن رزق دینے والی ذات صرف اور صرف اللہ ہی کی ہے۔

جب کفار مکہ اُحد کی جنگ سے واپس چلے گئے تو راستے میں انہیں پچھتاوا ہوا کہ ہم جنگ میں غالب آجانے کے باوجود خواہ مخواہ واپس آگئے، اگر ہم کچھ اور زور لگاتے تو تمام مسلمانوں کا خاتمہ ہوسکتا تھا۔ اس خیال کی وجہ سے انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ کیا۔ دوسری طرف حضور اکرم ﷺ نے اُن کے ارادہ سے باخبر ہوکر اُحد کے نقصانات کی تلافی کے لیے جنگ اُحد کے اگلے دن صبح سویرے صحابہ میں یہ اعلان فرمایا کہ ہم دشمن کے تعاقب میں جائیں گے، اور جو لوگ جنگ اُحد میں شریک تھے صرف وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ صحابۂ کرام جنگ کی وجہ سے زخمی اور بہت زیادہ تھکے ہوئے تھے لیکن انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہا۔ حضور اکرم ﷺ اپنے صحابہ کے ساتھ مدینہ منورہ سے حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے تو قبیلہ خزاعہ کے ایک شخص نے مسلمانوں کے حوصلے کا خود مشاہدہ کیا۔ بعد میں اس شخص کی ملاقات کفار مکہ کے سردار ابوسفیان سے ہوئی تو اس نے مسلمانوں کے حوصلے کے متعلق بتایا اور مکہ مکرمہ واپس جانے کا مشورہ دیا۔ اس سے کفار پر رعب طاری ہوا اور وہ واپس مکہ مکرمہ چلے گئے مگر ابوسفیان نے ایک شخص کے ذریعہ مسلمانوں کے لشکر میں یہ خبر (جھوٹی) پہنچادی کہ ابوسفیان بہت بڑا لشکر جمع کرچکا ہے اور وہ مسلمانوں کا خاتمہ کرنے کے لیے ان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس پر صحابۂ کرام ڈرنے کے بجائے بول اٹھے: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ (سورۃ آل عمران ۱۷۳) یہی توکل ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک غزوہ میں حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تھے۔ جب ہم ایک گھنے سایہ دار درخت کے پاس آئے تو اس درخت کو ہم نے رسول اللہ ﷺ کے لیے چھوڑ دیا۔ مشرکین میں سے ایک شخص آیا اور حضور اکرم ﷺ کی درخت سے لٹکی ہوئی تلوار اس نے لے لی اور سونت کر کہنے لگا: کیا تم مجھ سے ڈرتے ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ اس نے کہا کہ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ آپ ﷺ نے کہا: اللہ۔ اس پر تلوار اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ ﷺ نے وہ تلوار پکڑ کر فرمایا۔ تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟ اس نے کہا تم بہتر تلوار پکڑنے والا بن جاؤ۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے؟ اس نے کہا نہیں، لیکن میں آپ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ نہ میں آپ سے لڑوں گا اور نہ میں اُن لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے لڑتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس کا راستہ چھوڑ دیا۔ وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور کہنے لگا میں ایسے شخص کے پاس سے آیا ہوں جو لوگوں میں سب سے بہتر ہے۔ (مسند احمد) یہ واقعہ الفاظ کے فرق کے ساتھ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے) خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مشرکین کے قدم دیکھے جب کہ ہم غار (ثور) میں تھے۔ وہ ہمارے سروں کے اوپر کھڑے تھے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کی نچلی جانب دیکھے تو وہ ہمیں دیکھ لے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابوبکر! تیرا ان دو کے متعلق کیا گمان ہے کہ اللہ جن کا تیسرا ہے۔ (بخاری و مسلم)

توکل علی اللہ کے حصول کے لیے ایک دعا: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے: ''بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ میں اللہ کا نام لے کر گھر سے نکلتا ہوں اور اللہ پر بھروسہ کرتا ہوں، اور نہ کسی بھی کام کی قدرت میسر آسکتی ہے نہ قوت مگر اللہ تعالیٰ کی مدد سے'' تو اس کو کہہ دیا جاتا ہے تو نے ہدایت پائی، تیری کفالت کر دی گئی، تجھے ہر شر سے بچا دیا گیا اور شیطان اس سے دور ہٹ جاتا ہے۔ (ابوداود، ترمذی)

☆☆☆☆☆

موجودہ حالات میں ہماری ذمہ داری

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی/ آکسفورڈ، لندن

[ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کو علم وتحقیق کی دنیا میں بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ گذشتہ تین دہائیوں سے وہ آکسفورڈ میں علم وتحقیق کی شمع جلائے ہوئے ہیں اور پورے اعتماد کے ساتھ، بغیر کسی مرعوبیت اور خوف کے، اسلام کی ترجمانی کی خدمت انجام دے رہے ہیں، انھیں ''یورپ میں اسلام کا سفیر'' کہنا بالکل بجا ہے۔ موجودہ دور میں ملکی اور بین الاقوامی سطح پر مسلمان جن نازک حالات سے گزر رہے ہیں، ان سے نکلنے کے لیے ان کے اس مضمون میں بہت اچھے انداز میں رہنمائی کی گئی ہے۔]

اس وقت صرف ہندوستان ہی میں نہیں، بلکہ پوری دنیا میں ہم مسلمان جن حالات سے گزر رہے ہیں، ان کی سنگینی کا احساس ہر خاص وعام کو ہے، ہماری سیاسی طاقت مدتوں سے ٹوٹ چکی ہے، اجتماعیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا ہے، گروہی عصبیت ہماری رگ جاں میں پیوست ہوگئی ہے، ہمارا مزاج فرقہ وارانہ بن چکا ہے، ہماری جان ومال اور عزت وآبرو کا عدم تحفظ ہماری ذلت وبے کسی کا آئینہ دار ہے، مختلف ملکوں میں ملازمتوں کے شرائط اس طرح تبدیل کئے جارہے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے ملازمتوں کا حصول مشکل ہوتا جارہا ہے، مسلم ملازمین کی پریشانیوں میں اضافہ ہورہا ہے، مسلم خواتین کا پردہ تنقید اور امتیازی سلوک کی زد میں ہے، اسکولوں، اسپتالوں اور عوامی ریستورانوں سے حلال کھانوں کی قانونی آسانیاں ختم کی جارہی ہیں، تکفین وتدفین کی حاصل ہونے والی سہولتیں بھی نشانہ پر ہیں اور وہ وقت دور نہیں جب یکساں مواقع کے دستور کو خواتین اور ہم جنس پرست اماموں کی تقرری کے لیے استعمال کیا جائے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ ہے؛ اس لیے غیر اطمینانی کی فضا کو روکنے کے لیے اس طرح کی کاروائیاں شاید بہت کھل کر نہ ہوں، البتہ پولس ایکشن، تعلیمی اداروں کی تفتیش، مسجدوں اور مدرسوں کے لیے بلڈنگ ریگولیشنز اور لائیسنز جیسے قانونی حربوں کا استعمال جاری

ہے، جن کی وجہ سے مسلمان خود کو پابند قیود وسلاسل محسوس کر رہے ہیں۔

ان حالات سے نپٹنے کے لیے ہم مختلف پیمانوں پر متفرق اور غیر منظّم کوششوں میں لگے ہوئے ہیں؛ لیکن کسی واضح مقصد کے عدم تصور اور کسی طویل المیعاد منصوبہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے بجائے پیش رفت کے ہم مزید تنزل وادبار کا شکار ہیں۔

مسائل کا سبب:

ایسے حالات میں دوسروں کو موردِ الزام ٹھہرانا ہمارا معمول بن چکا ہے، سچی بات یہ ہے کہ ہماری مشکلات کا سبب غیروں کی عمدہ کارکردگی نہیں؛ بلکہ ہماری خراب کارکردگی ہے، ہمارے مخالفین جس منزل کی طرف رواں دواں ہیں وہ نہیں ہے، اسی لیے وہاں تک پہنچنے کے بعد ان کا زوال وانتشار یقینی ہے۔ ہماری پریشانی کا سبب ان کی ترقی نہیں ہونی چاہئے، ہماری پریشانی کی اصل وجہ یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے پاس منزل ہے، لیکن ہم نے اپنی منزل چھوڑ کر دوسروں کی منزلوں کو اپنی منزل تصور کرلیا ہے، اس لیے ہمارے اور دوسروں کے راستوں، طریقہ کار اور تگ ودو میں کوئی فرق نہیں ہوا۔

امتحان:

مسلمان ہونے کی حیثیت سے جو رتبہ ومقام حاصل ہے اور ہمارے اندر جس طرح کی امید اور حوصلہ ہے، وہ ہمارے مخالفین کو حاصل نہیں اور ہمیں اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی، اللہ کے ماننے والوں سے اس قیمت کی ادائیگی کا مطالبہ ہر دور میں رہا ہے، یہ قیمت ہے ہمارے ایقان واذعان کا امتحان، کہ کیا ہم صرف اس وقت ایمان پر قائم رہتے ہیں جب ہمیں زمین میں عروج، طاقت، اقتدار اور خوش حالی حاصل ہو، یا ہم کمزوری، سختی، پریشان حالی اور فقر وفاقہ کی حالت میں بھی دین وایمان پر قائم رہ سکتے ہیں؟ کیا ہم اہل ایمان اپنی صفوں میں ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد استوار رکھ سکتے ہیں؟ مشترکہ منصوبے بنا کر ایک دوسرے کے ساتھ کام کرسکتے ہیں؟ یا ہم وقتی سکون اور عارضی مفاد کے لیے اپنے اصولوں اور دینی وملی مفاد کا سودا کر کے اپنی مختلف نسبتوں اور منقسم شدہ فرقوں اور گروہوں کو اپنی شناخت قرار دیں گے؟

سیاسی تبدیلی:

بعض حالات میں اچھے اثرات ونتائج کے لیے تبدیلی لانے کا مروجہ طریقہ کار قابل استعمال نہیں ہوسکتا۔ مثال کے طور پر اس وقت بہت سے ممالک میں اس کی کوئی خاص اہمیت نہیں کہ ہم کس کو ووٹ دے رہے ہیں، کیوں کہ ان ممالک میں حقیقی طاقت سیاسی سرگرمیوں کی سطح کے بہت اندر گہرائی

میں چھپی ہے، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ آپ اس سیاسی سرگرمیوں پر اثر انداز ہوں؛ کیوں کہ اس سے اندرونی حقائق تبدیل نہیں ہوسکتے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی بہتے ہوئے دریا میں آپ کوئی چھوٹی یا بڑی چٹان پھینکیں، ایک مختصر وقفہ کے لیے پانی میں ہلچل ہوگی، اس کے بعد دریا اپنے دھارے کے مطابق دوبارہ اپنا بہاؤ قائم کرلے گا۔

ہندوستان اور یورپ وامریکہ کے بہت سے ممالک میں مسلمانوں کے لیے کوئی سیاسی تبدیلی لانا یا سیاسی پارٹیوں پر اثر ڈالنا عملاً ناممکن ہے؛ کیوں کہ ان ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف گہری نفرت کی فضا قائم کردی گئی ہے، جب تک مسلمان اپنے مسلمان ہونے کا انکار نہ کریں، اس وقت تک وہ جو کچھ بھی کریں گے یا کہیں گے اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور ان پر اعتماد نہیں کیا جائے گا؛ بلکہ دھیرے دھیرے ان کو اقتدار اور اثر اندازی کی پوزیشن سے مکمل طور پر بے دخل کردیا جائے گا۔

ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرلینا چاہئے کہ ہم اس وقت سیاسی اقتدار کے اہل ہیں نہ سیاسی اقتدار ہمارے مسائل کا حل ہے۔ ہماری نااہلی اس سے عیاں ہے کہ ہم صحیح طریقے سے مدرسوں، مسجدوں، مرکزوں، اداروں؛ بلکہ اپنے گھروں کا نظام نہیں چلاسکتے۔ سیاسی اقتدار کے توسط سے ہمارے مسائل حل نہ ہونے کی ایک اہم شہادت مسلم ممالک کی صورت حال ہے، جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں اور حکومت کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہے، وہاں کے حالات بھی کس قدر خراب ہیں، بلکہ بعض مسلم ممالک میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت ہندوستان سے بدتر ہے۔

ہمارا مقصد حیات:

تبدیلی یا اصلاح کا کوئی قدم اٹھانے سے پہلے ہمیں اچھی طرح ذہن نشین کرنا ہوگا کہ ہمارا مقصد حیات کیا ہے؟ پھر اپنے تمام منصوبوں اور تمام کوششوں کا ازسرنو جائزہ لینا ہوگا کہ یہ منصوبے اور یہ کوششیں اس مقصد کے لیے کس حد تک ضروری ہیں؟ اور ان کے درمیان آپس میں کس قدر ہم آہنگی ہو؟ ہر شخص جسے کتاب الٰہی کا تھوڑا بھی علم ہے اور جسے پیغمبروں کی تاریخ سے کچھ واقفیت ہے، اسے یہ اندازہ کرنے میں دیر نہیں لگے گی کی ہم نے دوسری قوموں کی تقلید میں اپنا مقصد حیات تبدیل کردیا ہے، اس لیے ہمارے سوچنے کا انداز بدل گیا ہے، ہم نے وہی وسائل اور طریقہ کار استعمال کرنا شروع کردیا ہے جو دوسری قوموں کی سوچ کا منتہا ہے۔ ہم میں اور دوسری قوموں میں داعی اور مدعو کی نسبت

تھی اور اس وقت ہم دنیا کی ساری قوموں کے فریق اور مقابل بن گئے ہیں، اسی حیثیت سے وہ ہم سے معاملہ کرتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ہمارے اور دوسری قوموں کے درمیان نفرت اور دشمنی میں اضافہ کے علاوہ کوئی اور امکان نہیں۔

ہمارا نقطہ آغاز یہ ہونا چاہئے کہ ہم اپنے مقصد کو پہچانیں۔ اس دنیا میں ہمارا مقصد اللہ کی عبادت ہے، باقی ساری چیزیں اس اصل مقصد کی معاون۔ مسلمانوں کے لیے بہت اہم اور ضروری ہے کہ عبادات پر صحیح توجہ دیں اور اپنے ایمان واسلام کو اپنے درمیان اور کھلی فضا میں پورے حوصلہ اور عزم کے ساتھ قائم کرنے کی کوشش کریں، ہماری اکثریت صرف نام کی مسلمان ہے، اسلام کے ارکان پر بہت کم لوگ عمل پیرا ہیں، اس سلسلہ میں سخت مہم اور جدوجہد کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو ایمان اور اسلام کے راستہ پر قائم کرنا ہماری بنیادی اور اولین ترجیح ہونا چاہئے۔

منصوبہ بندی:

اس بنیادی مقصد کی روشنی میں ہمیں ایک طویل المیعاد منصوبہ پر کام کرنا ہوگا، جس سے ہمارے افراد اور ہماری جماعتیں ان خوبیوں سے متصف ہو جائیں، جو دونوں جہان کی کامیابی کے لیے کلیدی حیثیت کی حامل ہیں۔

(ا) اس منصوبہ کا سب سے پہلا مقصد ''تعلیم کی فراہمی'' ہے۔ اسے یقینی بنائیں کہ ہر مسلمان قرآن وسنت کی اس قدر تعلیم ضرور حاصل کرے، جو اسے اللہ کی بندگی کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے، اس کے بعد کچھ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اسلامی علوم میں تحقیق کے مقام پر فائز ہوں، اس کے بعد دنیاوی تعلیم پر توجہ کی جائے۔ دنیاوی تعلیم اس وقت صرف تعلیم نہیں؛ بلکہ ملازمتوں کے حصول اور باعزت مال کمانے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ ہر گاؤں اور ہر شہر، بلکہ ہر مسلم آبادی میں ہم یقینی بنائیں کہ مسلمان بچے تعلیم سے بہرہ ور ہوں، اس سلسلے میں جو مالی اور غیر مالی موانع پیش آئیں ان کا حل نکالیں، تعلیم کے حصول کی راہ میں کسی عذر یا رکاوٹ کو حائل نہ ہونے دیں، ایسے ذرائع اپنائیں جن سے ہمارے بچے اعلیٰ تعلیم اچھے معیار پر حاصل کریں، نادار گھرانوں کے بچوں کی فیس کی ادائیگی، ان کے لیے وظائف کا انتظام اور تعلیم میں کمزور بچوں کے لیے معقول ٹیوشنز کی سہولیات فراہم کی جائیں، امتیاز وتفوق ہماری خصوصیت ہونی چاہئے، اس وقت کسی میدان میں اسی کی قدر ہے جو فائق ہو، تفوق وامتیاز کے حامل کو فرقہ پرست اور تعصب پسند بھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔

(۲) دوسرا اہم منصوبہ ''رفاہی کاموں کا قیام'' ہے۔ جو لوگ روزمرہ کی غذائی اشیا سے محروم ہیں انھیں تحفظ فراہم کیا جائے، لڑکیوں کی باعزت شادی کی سعی کی جائے، حکومتوں کی بعض پالیسیوں کی وجہ سے بہت سے مسلمان اپنے ذرائع آمدنی سے محروم ہو رہے ہیں، ان کے لیے صحیح متبادل کا نظم کیا جائے۔

(۳) ''اخلاق اور بلند کرداری کی تعلیم'' اس منصوبہ کا اہم حصہ ہے۔ ہماری اخلاقی حالت دوسروں سے بہتر نہیں، ہمارے اندر بے حیائی، فحاشی، بددیانتی عام ہے، بے صبری اور غصہ کی زیادتی کی وجہ سے بہت سی اخلاقی بیماریاں پیدا ہو رہی ہیں، علما اور تعلیم یافتہ طبقہ کے اخلاق بھی گرے ہوئے ہیں، مال و جاہ کی محبت بڑھی ہوئی ہے، من حیث القوم ہماری بقا، ان اخلاقی قدروں پر منحصر ہے، ہمارے خاندانوں اور ہماری اجتماعیت کے انتشار کا ایک اہم سبب ہماری اخلاقی کمزوریاں ہیں، ہم عورتوں، بچوں، والدین، اعزہ واقربا، فقرا و یتامیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے احترام سے بڑی حد تک غافل ہیں، ان امور پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، اخلاقی تربیت کے منظّم پروگراموں کا انعقاد ہماری اصلاحی کوششوں کا بنیادی حصہ ہونا چاہیے۔

(۴) ''غیر مسلموں سے اچھے تعلقات قائم کریں''، غیر مسلم پڑوسیوں کا خیال رکھیں، ان کو تحفے تحائف دیں، تقریبات میں انھیں مدعو کریں، ہر محلّہ کے اندر ذات پات اور طبقاتی تقسیموں سے بالا ہو کر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے مشترکہ اجتماعات منعقد کریں، جن میں کھانے پینے کا انتظام ہو اور انسانی اور ملکی اور دیگر باہم دلچسپی کے امور پر تبادلہ خیال ہو، ہم ان کے بچوں اور بوڑھوں سے اپنی دلچسپی کا اظہار کریں۔ یہ قریبی تعلقات جس قدر استوار ہوں گے اسی قدر میڈیا اور اسلام اور مسلمان دشمن تنظیموں کے منفی اثرات کم ہوں گے۔

(۵) موجودہ حالات میں ہمیں بے انتہا ''صبر وتحمل سے کام لینا'' ہوگا، ہمیں ہر وقت بھڑکانے کی کوشش کی جائے گی، ہمارے محلوں سے مذہبی اور غیر مذہبی جلوس نکال کر ہمیں مشتعل کیا جائے گا، عبادت گاہوں کو ملوث کیا جائے گا، ان سارے موقعوں پر ہم اشتعال انگیزی سے بچیں، نعروں اور شور ہنگاموں کا جواب خاموشی سے دیں۔ عراق اور شام کی صورت حال سے ہمارے مخالفین کو ایک نیا راستہ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ بجائے غیر مسلم اور مسلم فسادات کے، مسلمانوں کے اندر جو اختلافات ہیں، ان کو ابھارا جائے اور انھیں ایک دوسرے سے لڑایا جائے۔ اس وقت ہم تاریخ کے

ایک اہم مرحلے سے گزر رہے ہیں، ہمیں اپنے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ملت کے لیے کام کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہوگا، ہم میں سے ہر ایک کو یہ طے کرنا ہوگا کہ شیعہ سنی اختلافات، دیوبندی اور بریلوی تنازعات اور سلفی وغیر سلفی ترجیحات کو صرف کلاس روم تک محدود رکھیں، مسجدوں اور عوامی اجتماعات میں ہمیں مسلکی اور فرقہ وارانہ اختلافات ختم کر کے ایک دوسرے سے دین کی اصولی باتوں پر اتحاد کو تقویت دینی چاہئے اور ملت کے عمومی مصالح کے لیے اپنے ذاتی اور گروہی مفادات کو ہنسی خوشی قربان کرنے کی تربیت حاصل کرنی چاہئے۔

خاتمہ:

یہ افکار وخیالات اسی وقت مؤثر ہوسکتے ہیں، جب انھیں ایک تحریک کی شکل دی جائے، ان میں سے ہر منصوبے کی تطبیق کے لیے الگ الگ تنظیمیں بنائی جائیں، جو ملک کے ہر گوشے میں ان ہدایات کی نشر واشاعت اور ان کے اجرا کا کام کریں۔

الحمد للہ بعض جگہوں پر ان اصولوں کی روشنی میں کچھ کام شروع ہو چکا ہے، اس وقت اسی کو آگے بڑھانے اور مزید منظّم کرنے کی کوشش تیز کرنی چاہئے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حوصلہ اور ہمت سے کام کرنے کی توفیق دے اور تبصرے بازی اور طعن وتشنیع سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

بقیہ ص: ۳۱ کا

اسلام انسانی جنسی وشہوانی ضرورت کا خیال رکھتا ہے، اسی لئے نکاح کا حکم ہے، غلبۂ شہوت یا دوسرے مقاصد کی بنیاد پر عدل کی شرط کے ساتھ تعددِ ازدواج کی بھی گنجائش دی گئی ہے، ازدواجی تعلقات میں تلخی وناگواری کی صورت میں مسئلہ کے حل کی ہر ممکن کوشش کے بعد مجبوراً طلاق کی اجازت بھی ہے۔

جرائم پر حدود وتعزیرات اور سزاؤں کا نظام بھی مجرم کی سزا، دوسروں کو عبرت اور معاشرتی فساد کے اِزالے کے بلند مقاصد کے لئے متعین کیا گیا ہے، ہر حکم شرعی میں سہولت اور رفع حرج (تنگی دور کرنے) کا اصول ملحوظ ہے، ظاہر ہے کہ عقائد، عبادات، اخلاق واحکام ہر جگہ اس درجہ حقیقت پسندی کا لحاظ اسلام کا امتیاز ہے اور اس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ یہ انسانی مذہب نہیں بلکہ خدائی مذہب، الٰہی قانون اور ربّانی نظام ہے، اور اسی کی پابندی مقتضائے فطرت، مطالبۂ عقل اور ذریعۂ نجات ہے۔

☆☆☆☆☆

اسلام ایک حقیقت پسندانہ مذہب ہے

مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی
شیخ الحدیث ومہتمم جامعہ عربیہ امدادیہ مرادآباد

اسلام کی ایک نمایاں اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک حقیقت پسند مذہب اور نظامِ حیات ہے، عقائد وعبادات، معاملات اور احکام واخلاق ہر اعتبار سے اسلام حقیقت پسند ہے، اور اس کی ہر تعلیم وہدایت میں واقعیت پسندی کا عنصر اور حقائق کا نور واضح اور روشن ہے۔

اسلامی عقائد کا اگر تجزیہ کیا جائے تو وہ اول تا آخر واقعیت پر مبنی ہیں، ہر اسلامی عقیدہ ایسی حقیقت ہے جسے عقل بآسانی قبول کرتی ہے، دل اس پر مطمئن رہتا ہے، فطرتِ سلیمہ اس پر لبیک کہتی ہے، وہ اوہام وخیالات سے بالکل دور ہے، اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ توحید ہے جو تمام حقائق میں سب سے بڑی حقیقت ہے، اللہ کی تکوینی نشانیاں، دلائل انفس وآفاق، عقلی، نقلی، مشاہداتی وتجرباتی براہین سب اللہ کی وحدانیت کو کائنات کی سب سے بڑی اور نمایاں حقیقت ثابت کرتے ہیں، اللہ کے اوصافِ جلال وجمال، رحمت وغضب، قدرت وقوت، غلبہ وکبریائی، تخلیق وایجاد، عفو ومغفرت، محبت ورافت، حلم وعطا، جود وکرم، قہاری وغفاری، قدوسی وجبروتی، سب ہی بدیہی حقائق ہیں، جن کو ہر عقل سلیم تسلیم کرتی ہے۔

عقیدۂ رسالت دوسری بنیاد ہے، اسلام محمد عربی ﷺ کو نبی آخر الزماں اور خاتم الانبیاء والرسل قرار دیتا ہے، انھیں اخلاقِ عالیہ کا حامل اور متصف بتاتا اور ثابت کرتا ہے کہ وہ انسانوں ہی میں سے تھے، ان کی رفتار وگفتار، خورد ونوش، معاملات ومعاشرت سب انسانوں ہی جیسے تھے، وہ کوئی اور مخلوق نہ تھے، البتہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، ان پر قرآن اتارا گیا، جس میں اہل کفر کو چیلنج کیا گیا کہ اس کے کسی بھی حصے کا جواب لے آئیں مگر کوئی ہمت نہ کرسکا، اس طرح اللہ نے قرآن کو ہر تحریف وترمیم سے محفوظ کردیا، اب اس میں کچھ رد وبدل ناممکن ہے، قرآن دلوں اور عقلوں دونوں کو مخاطب کرتا ہے، ان کا رُخ صحیح کرتا ہے، اسلام کے عقیدۂ رسالت سے جڑے ہوئے یہ سب حقائق ہیں

عقیدۂ آخرت تیسری بنیاد ہے، اسلام واضح کرتا ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد اخروی زندگی ہے، جس میں ہر عمل کا حساب ہوگا، جزا وسزا کا نفاذ ہوگا، قرآن میں اس عقیدے اور اس کی تفصیلات کا سیکڑوں جگہ ذکر کیا گیا ہے، اور بتا دیا گیا ہے کہ یہ حقائقِ واقعیہ ہیں، ان کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔

اسلامی عبادات میں بھی حقیقت پسندی کا یہی عنصر کارفرما ہے، انسان کے اندر اپنے خالق ومالک اللہ سے مربوط ہونے کی جو خواہش اور پیاس ہوتی ہے اس کو بجھانے، سیراب کرنے کے لئے عبادات کا پورا نظام اسلام نے مقرر کیا ہے، ہر عبادت انسان کی تسلی کا سامان ہے، لیکن چونکہ انسان کمزور ہے، اس لئے اس کی رعایت کرتے ہوئے حرج اور تنگی سے بچایا اور سہولت کا لحاظ رکھا گیا ہے، اسلام ان کی زندگی کے خاندانی، معاشرتی، اقتصادی اور سماجی پہلوؤں، الجھنوں اور پیچیدگیوں کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اسی لئے وہ ان کا پورا وقت عبادت میں نہیں گھیرتا، بلکہ اس کے لئے اوقات مقرر ہیں، اسی طرح اسلام ان کے مزاجی تلوّن وتنوّع اور نوعِ انسانی کی ضروریات کا پہلو بھی سامنے رکھتا ہے، اور اسی لئے کچھ بدنی عبادات مقرر کرتا ہے، کچھ مالی عبادات اور کچھ مالی وبدنی دونوں پہلوؤں کو جامع عبادات، کچھ عبادتیں روزانہ کی ہیں، کچھ سالانہ ہیں، کچھ پوری عمر میں ایک بار ہی انجام دی جاتی ہیں، اس کے ساتھ ہی شوقین اور قربِ خداوندی کی متلاشی طبائع کے لئے نوافل کا ایک وسیع سلسلہ ہے۔

مزید برآں اسلام انسان کے ہنگامی حالات مثلاً مرض اور سفر وغیرہ کو بھی سامنے رکھتا ہے اور رُخصتوں اور سہولتوں کا دائرہ بڑھاتا ہے، بیماری ومعذوری کے عالم میں بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھنے، تیمّم سے کام لینے، روزہ توڑ دینے، اور سفر میں قصر وغیرہ احکام اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں، ہر جگہ اسلام عسر اور تنگی کے بجائے یسر اور سہولت کی حقیقت سامنے رکھتا ہے۔

اسلام کی اخلاقی تعلیمات بھی حقیقت پسندی کا شاہکار ہیں، عدل وانصاف کا حکم ہو یا ظالم کے ظلم کا جواب میں عادلانہ انتقام، یا کریمانہ عفو ودرگذر ہو، یا دوسرے اوصاف وآداب ہوں، ہر جگہ حقیقت پسندی نمایاں ہے، اسلام یہ واضح کرتا ہے کہ تمام انسان اخلاقی وایمانی قوت میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ انسانوں میں فطری اور عملی اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے، قرآنی زبان میں کچھ اپنے اوپر ظلم کرنے والے یعنی لاپرواہ اور گنہگار ہوتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہوتے ہیں، اور کچھ نیکیوں کی طرف بہت سبقت کرنے والے ہوتے ہیں، اسلام یہ بھی بتاتا ہے کہ کوئی انسان نبی کے سوا معصوم نہیں ہوتا، انسان

خطا ونسیان سے آلودہ ضرور ہوتا ہے، اور گناہوں سے بچنا، توبہ، رجوع الی اللہ اور تقویٰ سے ہوتا ہے۔

تربیت اور اصلاح وتزکیہ کے باب میں بھی اسلام بے حد حقیقت پسند ہے، اسلام اپنی تربیت واصلاح کی مہم میں توازن واعتدال کو اولین مقام دیتا ہے، جس کا اہم ترین ہونا واضح حقیقت ہے اور اِفراط وتفریط اور غلو وتعصب سے اجتناب کی تلقین کرتا ہے، اسلام ہر مسلمان کو اپنی اور اپنے اہل خانہ کی نجات کا سامان تیار کرنے کا حکم دیتا ہے، اور ہر انسان کو ذمہ دار اور ذمہ داری کے لئے جواب دہ اور مسئول قرار دیتا ہے، باپ کو بچوں کی تربیت کی تلقین کرتا ہے، اور حکم دیتا ہے کہ دس سال کے ہونے پر سمجھانے سے نماز نہ پڑھیں تو انھیں مارا جائے، یعنی باپ کو اولاد کے سلسلے میں سنجیدہ اور فکر مند ہونا چاہئے، اسی طرح تاکید کرتا ہے کہ کوئی مسلمان دوسرے کو ایذا یا ضرر نہ پہونچائے، یہ سب تربیتی تعلیمات روشن حقائق ہیں۔

اسی طرح احکام شریعت میں بھی حقیقت پسندی کے پہلو کو مکمل طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ اسلام نے کسی ایسی چیز کو حرام نہیں قرار دیا ہے جس سے انسان کی واقعی ضرورت یا نفع متعلق ہو، اور کسی ایسی چیز کو حلال نہیں کیا جس میں انسان کا نقصان ہو، پاکیزہ رزق، زیب وزینت وغیرہ کو قرآن نے حرام نہیں کیا، اور اعتدال اور اسراف نہ کرنے کی شرط کے ساتھ اسے جائز رکھا ہے، اسلام نے انسان کی مائل بہ لہو ولعب اور تفریح پسند طبیعت دیکھ کر مختلف کھیل مثلاً تیراندازی، شہ سواری، تیراکی، اور جوا وحرام سے آلودہ نہ ہونے والے اور ذکر ونماز سے غافل نہ کرنے والے کھیلوں اور تفریحات کی اجازت دی ہے، حضور اکرم ﷺ نے عید کے موقع پر خوشی منانے کی رُخصت دی ہے، آپ ﷺ نے حبشیوں کو نیزہ بازی کا کھیل دکھانے کی اجازت دی، اور خود حضرت عائشہؓ کے ساتھ دیکھا اور واضح کردیا کہ ''یہودیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ہمارا دین توسّع رکھتا ہے، اس میں تنگی نہیں ہے (مسند احمد) اسلام نے عورت کی تزیّن پسند فطرت کی رعایت کرتے ہوئے اسے سونے چاندی کے استعمال اور ریشم پہننے کی اجازت دی ہے، اضطراری حالات میں ناروا وحرام چیزوں کی ضرورۃً حلت بھی اسلامی شریعت کی حقیقت پسندی کا واضح نمونہ ہے۔

اس طرح اسلام انسانی فطرت کی کمزوریوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سدِّ ذرائع کے اصول کا قائل ہے کہ جو عمل حرام کے ارتکاب کا ذریعہ بن سکتا ہے خواہ جائز ہی کیوں نہ ہو اس کو بھی حرام کردیا ہے، اجنبی عورت کے ساتھ خلوت کا حرام ہونا اس کی نمایاں مثال ہے۔ (بقیہ ص: ۲۸ پر)

تربیت اولاد کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کی ایک نصیحت

مولانا مفتی عاصم عبداللہ صاحب مدظلہ، مفتی جامعہ حمادیہ، کراچی

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دس باتوں کو اختیار کرنے کی وصیت فرمائی، پوری حدیث درج ذیل ہے، اس میں صرف ایک نصیحت (وَاَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ) کی تشریح ووضاحت کو شائع کیا جارہا ہے، جو تربیت اولاد سے متعلق ہے۔ (ادارہ)

عَنْ مَعَاذٍ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ، قَالَ لَاتُشْرِکْ بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَیْکَ وَاِنْ اَمَرَاکَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَھْلِکَ وَمَالِکَ، وَلَا تَتْرُکَنَّ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّداً فَاِنَّ مَنْ تَرَکَ صَلٰوۃً مَکْتُوْبَۃً مُتَعَمِّداً فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْہُ ذِمَّۃُ اللّٰہِ، وَلَا تَشْرِبَنَّ خَمْراً فَاِنَّہٗ رَأْسُ کُلِّ فَاحِشَۃٍ، وَاِیَّاکَ وَالْمَعْصِیَۃَ فَاِنَّ الْمَعْصِیَۃَ حَلَّ سَخَطَ اللّٰہِ وَاِیَّاکَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ ھَلَکَ النَّاسُ، وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِیْھِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰی عَیَالِکَ مِنْ طَوْلِکَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْھُمْ عَصَاکَ اَدَباً، وَاَخِفْھُمْ فِی اللّٰہِ (رواہ احمد مشکوۃ ج ا صفحہ ۱۸)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دفعہ) مجھے دس باتوں کی وصیت فرمائی، فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اگر چہ تم کو قتل کردیا جائے اور جلا ڈالا جائے۔ اور اپنے ماں باپ کی ایذا رسانی اور ان سے قطع تعلق نہ کرو، اگر چہ وہ تم کو حکم دیں کہ اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع چھوڑ کے نکل جاؤ۔ اور کبھی ایک فرض نماز بھی قصداً نہ چھوڑو، کیونکہ جس نے ایک فرض نماز بھی قصداً چھوڑ دی، اس کے لئے اللہ کا عہد اور ذمہ نہیں رہا۔ اور ہرگز کبھی شراب نہ پینا، کیونکہ شراب نوشی سارے فواحش کی جڑ اور بنیاد ہے۔ (اسی لئے اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے)۔ اور ہر گناہ سے بچو، کیونکہ گناہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غصہ نازل ہوتا ہے۔ اور جہاد کے معرکہ سے پیٹھ پھیر کے نہ بھاگو۔ اگر چہ کشتوں کے پشتے لگ رہے ہوں۔ اور جب تم کسی جگہ پر لوگوں کے ساتھ رہتے ہو اور وہاں (کسی وبائی مرض کی وجہ سے) موت کا بازار گرم ہو جائے تو

تم وہیں جمے رہو۔(جان بچانے کے خیال سے وہاں سے مت بھاگو)۔اور اپنے اہل وعیال پر اپنی استطاعت اور حیثیت کے مطابق خرچ کرو(نہ بخل سے کام لو کہ پیسہ پاس ہوتے ہوئے ان کو تکلیف ہو اور نہ خرچ کرنے میں اپنی حیثیت سے آگے بڑھو)۔اور ادب کیلئے ان پر(حسب ضرورت وموقع)سختی بھی کیا کرو۔اور ان کو اللہ سے ڈرایا بھی کرو۔(مشکوۃ شریف ج ا صفحہ ۱۸)

﴿وَاَنۡفِقۡ عَلٰی عَیَالِکَ مِنۡ طَوۡلِکَ﴾

(اے معاذ)اپنے اہل وعیال پر اپنی حیثیت اور استطاعت کے مطابق خرچ کرو۔

تشریح: دس نصیحتوں میں یہ آٹھویں نصیحت ہے جو حضرت سرور کائنات ﷺ نے حضرت معاذؓ کو فرمائی ہے اس نصیحت کے ذریعہ پریشانیوں سے دور رکھنا اور بچانا مقصود ہے اور حضرت معاذؓ کے ذریعہ امت کو اعتدال کا سبق دینا بھی مقصود ہے۔اگر شریعت کے احکامات اور معاملات کو دیکھا جائے تو شریعت نے ہر چیز میں اعتدال اور میانہ روی پسند کی ہے۔اس حدیث میں ایک طرف اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنے کی تاکید فرمائی تو دوسری طرف اس کی یہ حد بندی بھی فرمائی کہ یہ خرچ اپنی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے نہ تو اس میں بخل کا معاملہ ہو اور نہ ہی حد سے تجاوز ہو بعض کم فہم لوگ ایسے بھی ہیں کہ جو اپنی محبت کا اظہار اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں کہ جوش میں آ کر اپنی طاقت اور اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کر ڈالتے ہیں اور بعد میں پریشانیاں اٹھاتے ہیں اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جتنی تمہاری وسعت ہے اور جتنی تمہاری توفیق ہے اتنا ہی اپنے گھر والوں پر خرچ کرنا کبھی تمہیں پریشانی نہیں آئے گی۔

صدقہ میں احتیاط واعتدال:

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو(اپنے بعد)غنی چھوڑ جائے یعنی اپنے اہل وعیال کو بالکل فقیر نہ کر جائے اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور خرچ کرنا ان لوگوں سے شروع کرو جن کی عیال داری تمہارے ذمے ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایسا نہ ہو کہ تمہاری بیوی کہہ رہی ہو کہ یا تو میرا خرچہ اٹھاؤ ورنہ مجھے طلاق دے کر آزاد کرو اور تمہارا غلام کہہ رہا ہو کہ یا تو میرا خرچہ دو ورنہ مجھے(کسی دوسرے کے ہاتھ)فروخت کر دو اور تمہارے بچے کہہ رہے ہوں کہ(ابا جان)ہمیں کس کے اوپر چھوڑ کر جا رہے ہو۔(الترغیب والترہیب/ج۲ بحوالہ ابن خزیمہ)

نفلی صدقات کو ترجیح دینے والوں کے لئے اہم سبق

اس حدیث میں راہ اعتدال اور فرق مراتب کا سبق امت کو بتایا گیا ہے۔خصوصاً ان لوگوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے جو لوگ مختلف قسم کے نفلی کاموں میں خوب خرچ کرتے ہیں اور دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور اپنے بیوی بچوں کی طرف سے غافل اور لا پرواہ رہتے ہیں انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کہ ان کے بیوی بچے کس حال میں ہیں انہوں نے صبح سے کھایا پیا بھی ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ بچوں کی تربیت اور ان کی دیکھ بھال اور ان بال بچوں کا خرچہ واجب ہے اور ان کو اپنی حیثیت کے مطابق معاشی تنگی اور پریشانیوں سے بچانا اول فریضہ ہے اس کے برخلاف نفلی کام اور نفلی صدقات بعد کے کام ہیں ان کو کرنے یا نہ کرنے ان میں حصہ لینے یا نہ لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔لیکن اگر بال بچوں کے خرچہ سے لا پرواہی برتی تو اللہ کے یہاں ہم مجرم ہیں اور ہماری پکڑ ہے اس لئے ہر کام میں خصوصاً دعوت وتبلیغ ونفلی صدقات کے کام میں راہ اعتدال اور فرق مراتب کا لحاظ کرنا ضروری ہے اور یہ ایمان کا ایک تقاضہ ہے۔

معارف القرآن میں حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے انفاق فی سبیل اللہ اور صدقہ خیرات کے عنداللہ مقبول ہونے کے چھ شرائط لکھے ہیں ان شرائط میں دوسرے نمبر کی شرط یہ ہے کہ طریق سنت کے مطابق خرچ کرنا اور طریق سنت یہ ہے کہ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ کسی حقدار کی حق تلفی نہ ہو اپنے اہل وعیال کے ضروری اخراجات بغیر ان کی رضا مندی کے بند یا کم کر کے صدقہ خیرات کرنا کوئی امر ثواب نہیں ہے۔اسی طرح حاجتمند وارثوں کو محروم کر کے سارے مال کو صدقہ خیرات یا وقف کر دینا تعلیم سنت کے خلاف ہے۔(معارف القرآن/ج ا/ص ۶۳۵)

لوگ اس کو بہت بڑی نیکی تصور کرتے ہیں حالانکہ یہ بہت بڑی جہالت اور نادانی ہے کہ اپنے اہل وعیال جو کہ ضرورتمند ہیں ان پر خرچ کرنے کے بجائے دوسری مدات میں خرچ کیا جائے اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائیں (آمین)

خرچ کرنے کی ترتیب:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے کہا میرے پاس ایک دینار ہے اسے کہاں خرچ کروں؟ آپ نے فرمایا اپنی ذات پر خرچ کرو

اس نے عرض کیا میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنی اولاد پر خرچ کرو اس نے عرض کیا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے اپنے اہل (یعنی بیوی، ماں ، باپ اور دوسرے اقرباء) پر خرچ کرو پھر اس نے عرض کیا (یارسول اللہ) میرے پاس ایک اور دینار ہے فرمایا اب تم اس کے بارے میں زیادہ جان سکتے ہو۔ (یعنی اب اس کے بعد کے مستحق کو تم ہی بہتر جان سکتے ہو۔ جس کو اس کا مستحق سمجھو اسے دے دو)

بخل اور اسراف سے اجتناب:

ان تفصیلات کے ساتھ یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ اعتدال کا دامن کسی طور پر نہ چھوٹنے پائے۔ خصوصی طور پر اعتدال کے ضمن میں دو چیزوں کا اہتمام رکھا جائے ایک تو یہ کہ بخل سے کام نہ لے اللہ تعالیٰ کو یہ اچھا نہیں لگتا کہ میرے دئے ہوئے مال کو خرچ کرنے میں بندہ بخل سے کام لے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں نہ تو مکثار (زیادہ باتونی) داخل ہوگا۔ نہ بخیل اور نہ احسان جتلانے والا۔ (رواہ الترمذی)

اور ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا کہ مومن میں دو خصلتیں جمع نہیں ہوتیں:

(۱) بخل (۲) بدخلقی (رواہ الترمذی)

دوسرے یہ کہ اسراف وتبذیر سے بچنے کا بھی اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ یہ شیطانی کام ہیں اور معاشرہ کے لئے برائیوں کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا کہ:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَاماً﴾ (الفرقان ۶۷)

ترجمہ: اور وہ لوگ جب خرچ کرتے ہیں تو اس انداز سے خرچ کرتے ہیں کہ نہ حد سے زیادہ ہوتا ہے اور نہ حد سے کم بلکہ درمیانی راہ پر چلتے ہیں۔

سورہ انعام میں فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾

اور بے جا خرچ نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ بے جا خرچ کرنے والوں سے محبت نہیں فرماتے۔

معلوم ہوا کہ بے جا خرچ کرنا اور حد سے تجاوز کرنا خواہ کمی کی طرف ہو یا زیادتی کی طرف مال خرچ کرنے کے سلسلے میں ہو یا کسی کام میں اللہ کو سخت ناپسند ہے اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں (آمین)

باسمہ تعالیٰ

ہندوستان میں مسلمانوں کے دینی مستقبل کا تحفظ

اندیشے اور امکانات

مولانا مفتی محمد اشرف علی صاحب
بانی ومینیجر خالد بن ولید پبلک اسکول، محمد پور، اعظم گڈھ

آ گے کی گفتگو سے پہلے، ہندی کے ایک معروف آن لائن اخبار کے ایک مشہور ومقبول صحافی کے بلاگ کے اقتباسات پر جو ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء کو شائع ہوا ایک نظر ڈالتے ہیں:

''ایک کے سر پر آنچل دوسرے کے سر پر دوپٹہ، ایک ساڑی میں، اور دوسری شلوار میں، عمر کا فاصلہ تو اتنا نہیں رہا ہوگا؛ مگر مذہب کے فاصلے کے مٹنے کی کھلکھلاہٹ دبی زبان میں مجھ تک پہونچ رہی تھی۔ میں بین المذاہب شادی رچانے والے جوڑوں کے تجربے سے باتیں کر رہا تھا، سفید سوٹ میں مسلم سمدھن اور لال ساڑی میں ہندو سمدھن ایسا نظارہ کہاں دیکھنے کو ملتا ہے، اختری بیگم بہار کے سمستی پور کی رہنے والی ہیں، اور پاروتی رائے یوپی کے غازی پور کی۔

منیش کی ماں شبانہ کو بہو کے بجائے بیٹی کہتی ہے، منیش کی ماں کہنے لگی: ایک ہی بیٹا تھا میرا، کبھی کسی مسلمان کے گھر نہیں گئی تھی، نہ ہی کوئی مسلمان میرے گھر آیا تھا۔ شبانہ کی ماں نے کہا: یہ گھر سے بھاگ گئی۔ پاروتی رائے نے پوتے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: یہ سلام بھی کرتا ہے اور نمستے بھی۔

منیش اور شبانہ نے دھرم نہیں بدلا ہے، رینو اور آصف اقبال نے بھی دھرم نہیں بدلا ہے، آصف اس بات کو لے کر سخت ہیں کہ دھرم کیوں بدلنا ہے، رینو سے شادی کرنے پر انہیں بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا، لیکن دونوں نے نہ دھرم بدلا نہ ہی نام، آصف اقبال نے کہا: کسی محفل میں وہ کل سر یشٹھ ہو جاتے ہیں تو کسی میں رینو مسز خان ہو جاتی ہیں'' (این. ڈی. ٹی. وی ہندی اشاعت ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء)

ہندو شوہر کے ساتھ خوش گوار ازدواجی زندگی

اس واقعے سے جو تصویر ابھر کر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ: بہار کی ایک مسلم لڑکی جس کے ماں باپ صدیوں سے مسلمان چلے آ رہے تھے، کالج کے مخلوط تعلیمی ماحول میں، غازی پور، یوپی کے ایک اجنبی ہندو لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے، اس سے شادی کرنے کے لئے گھر والے راضی نہیں

ہوتے ہیں تو وہ گھر سے بھاگ جاتی ہے، ہندو لڑکا اپنا مذہب تبدیل نہیں کرتا، نہ ہی لڑکی اس کے لئے اصرار کرتی ہے، دونوں شادی کر لیتے ہیں، ایک مسلمان لڑکی ایک ہندو کی بیوی بن کر اپنی ازدواجی زندگی پر مطمئن ہے، وہ اپنی سسرال کے ہندو گھرانے میں بخوشی زندگی گذار رہی ہے، اسے سماجی اعتبار سے نہ کوئی پریشانی ہے نہ مذہبی لحاظ سے کوئی غم، ایک بیٹا بھی پیدا ہوتا ہے، جو اپنے ددھیال میں رہتا ہے، اسے سلام کرنا بھی سکھایا گیا ہے اور نمستے بھی، اس رشتے کے نتیجے میں آگے چل کر دونوں خاندان بھی قریب آجاتے ہیں، مسلم سمدھن اپنی ہندو سمدھن کے گھر آتی ہے اور رشتہ داری کے تقاضے ادا کرتی ہے۔

صورت حال کی سنگینی

اس طرح کا اگر یہ صرف تنہا ایک واقعہ ہوتا تو بھی ہر اس شخص کو بے قرار کرنے کے لئے کافی تھا جس کا ایمان ہے کہ:

> ''روئے زمین پر دین برحق صرف اسلام ہے، جو دنیا میں خدا کی رضا وخوشنودی اور آخرت میں نجات کے حصول کا واحد ذریعہ ہے، اس کے سوا کوئی دین/مذہب/نظریہ یا طریقہ حیات: رضائے الٰہی یا نجات اخروی کا ذریعہ نہیں ہے اور یہ کہ اس دین برحق میں اس بات کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کہ ایک مومن کسی مشرکہ کے ساتھ یا ایک مشرک کسی مومنہ کے ساتھ شادی کرے، ازدواجی زندگی گذارے یا جنسی تعلق قائم کرے''

لیکن یہ صرف منیش اور شبانہ کی کہانی نہیں ہے؛ بل کہ رینو اور آصف اقبال نے بھی ایسا ہی کیا ہے، رینو اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے آصف کی بیوی ہے اور آصف رینو کا شوہر، یہ الگ بات ہے کہ کبھی رینو کے رشتہ داروں کی محفل ہوتی ہے تو آصف کُل سریشٹھ ہو جاتا ہے اور آصف کے لوگ باگ ہوتے ہیں تو رینو مسز خان کہلانے لگتی ہے، اس کا مطلب یہ ہے آصف اپنی بیوی کے رشتہ داروں کے سامنے غیر مسلم بن جاتا ہے۔

بین المذاہب شادی کرنے والوں کی ''دھنک''

کہانی صرف منیش اور شبانہ، رینو اور آصف پر جا کر ختم ہو جاتی تو بھی اسلامیانِ ہند کی غیرت کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی تھی؛ لیکن معاملہ بہت آگے پہونچ گیا ہے، اور بڑی تیز رفتاری سے مسلم نوجوانوں (بچوں اور بچیوں) کو اپنی گرفت میں لے رہا ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کی بڑھتی تعداد اور ان کی مشکلات کے حل کے لئے، تنظیمیں وجود میں آچکی ہیں، اسی نوعیت کی ایک تنظیم ''دھنک'' کے

نام سے سرگرم ہے جو بین المذاہب شادی کرنے والے جوڑوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے اوران کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کام کرتی ہے، تنظیم کا دعوی ہے کہ اب تک اس سے چھ سو ایسے جوڑے جڑ چکے ہیں جنہوں نے دھرم اور ذات کی دیواروں کو توڑ کر شادی رچائی ہے،اس تنظیم سے جڑنے کی ایک شرط ہے کہ کوئی اپنا مذہب اور نام تبدیل نہیں کرے گا۔(این.ڈی.ٹی.وی ہندی اشاعت ۱۴ فروری ۲۰۱۷ء۔)

بھاگی ہوئی (مسلم) لڑکیاں

یہ اعداد و شمار بھی قطعی اور آخری نہیں ہیں، گذشتہ دنوں ''بی بی سی اردو'' نے ایک سلسلہ وار مضمون جاری کیا تھا جس میں ان لڑکیوں کی کہانیاں شیئر کی گئی ہیں جنہوں نے اپنے گھروں سے فرار ہو کر دوسرے مذاہب کے لڑکوں سے شادیاں کی ہیں، مضمون کا عنوان تھا: ''بھاگی ہوئی لڑکیاں'' اس سیریز میں مسلم بچیوں کی تعداد دوسروں کے بالمقابل زیادہ تھی۔

اسلام کی باغیرت بیٹیاں

ہم نے تاریخ میں یہ تو پڑھا تھا کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے زمانے میں، سکھ زبردستی مسلمان عورتوں کو اپنے گھروں میں رکھ لیا کرتے تھے اوراس کی بھی نظیریں ملتی ہیں کہ کچھ مسلمان عورتیں جنگوں میں دشمن کے ہاتھ آ جاتی تھیں؛ تاہم وہ عورتیں بہر حال اپنے دین پر ثابت قدم رہتی تھیں، حیاو عفت سے لبریز ہوا کرتی تھیں، چھپ چھپ کر اللہ کی عبادت کیا کرتی تھیں، کبھی اپنی اس مجبوری کی زندگی پر وہ راضی نہیں ہوتی تھیں، کفر وشرک کی نفرت کا طوفان ہر لمحہ ان کے سینے میں موجزن ہوا کرتا تھا اور جب انھیں موقع ملتا وہ اس ظلمت سے نکلنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دیا کرتی تھیں۔

شام کی فتح کے موقع پر، کچھ عرب مسلمان عورتیں، رومیوں کی قید میں آ گئیں، رومی سردار پطرس نے قیدی عورتوں کو اپنے سامنے لانے کا حکم دیا، خولہ بنت الازورؓ کو دیکھ کر اس نے کہا: یہ میرے لئے ہوگی، باقی عورتیں تم تقسیم کرلو، اس درمیان رومی، جنگ کے امور میں مشغول ہوگئے، حضرت خولہؓ نے عرب عورتوں سے خطاب کیا، انہیں ہمت دلائی، ان کی غیرت کو ابھارتے ہوئے فرمایا:

> ''اے حمیر کی بیٹیو!، قومِ تبع کی یادگارو! کیا تم اس پر راضی ہو کہ تم عجمی حیوانوں کی خدمت گذاری کرو اور تمہاری اولادیں مشرکین کی غلامی کریں، میرا خیال ہے کہ ہرگز نہیں، تمہاری شجاعت و بہادری کو میں آواز دیتی ہوں جس کا ہم ہمیشہ تذکرہ کرتے رہتے ہیں، میں سمجھتی ہوں کہ تمہارے لئے قتل ہوجانا، رومی کتوں کی خدمت کے بالمقابل بہت آسان ہوگا، چنانچہ

باغیرت عورتوں نے خیموں کی چوبیں اکھاڑ کر دشمنوں پر حملہ کر دیا، تیس کو موت کے گھاٹ اتارا اور برابر مقابلہ کرتی رہیں، یہاں تک کہ حضرت خالدؓ بن ولید اپنا لشکر لے کر حملہ آور ہوئے اور ان عورتوں کو رہائی مل گئی۔ (فتح الشام للواقدی ج۱ص ۴۷)

یہ تھی ہماری شاندار تاریخ اور تابناک ماضی، حالیہ واقعات جن کا منھ چڑاتے ہیں، سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں اتنی تبدیلی کہاں سے اور کیوں کر آئی؟ معاشرے میں اس درجہ سطحیت بلا سبب اور یکا یک نہیں آ گئی ہے؛ بل کہ اس کے پیچھے سمجھ میں آنے والی کچھ وجوہات ہیں، اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کی تشخیص کے بعد ان کا تدارک بھی ممکن ہے اور اس سیلاب کو روکا جاسکتا ہے۔

کہتے ہیں جس کو عشق.....

اس قدر اخلاقی گراوٹ کہ ایک مسلم نوجوان (لڑکا یا لڑکی) کسی غیر مسلم سے بلا تردد محبت کرنے لگے، اس کے ساتھ گھومنے ٹہلنے لگے، اور پھر اس کے غیر مسلم رہتے ہوئے، اس سے شادی کرنے پر آسانی سے تیار ہو جائے اور اپنے مذہب تک کی پرواہ نہ کرے: اس کی وجہ نہ تو شدتِ عشق ہو سکتی ہے، نہ ہی بے اختیار نفسانی خواہش؛ کیوں کہ ''عشق وشق'' کا بھی ایک دائرہ ہوتا ہے اور خواہشیں بھی مجبوریاں سمجھتی ہیں، ورنہ ہر کس و ناکس ''شہزادیوں'' اور ''حسینہ ہائے عالم'' کی دیوانگی میں مبتلا ہو کر یا تو راہی ملکِ عدم ہوتا اور یا پھر تا عمر صحرا نوردی کرتا۔

اگر دنیوی سزائیں اور رسوائیاں عشق و محبت کے دماغی خلل(۱) جیسی بیماریوں کا علاج ہو سکتی ہیں تو پھر ایمان باللہ، خوف خدا، عشقِ محمدی، عالم برزخ و محشر کی ہولناکی کا احساس، جنت کے حسین مناظر کی تمنائیں، اور جہنم کے خوفناک احوال کا استحضار: انہیں یقیناً ''عشق و وفا'' کے نام پر اپنے خالق پروردگار، اپنے محسن ماں باپ، تمام اہل خاندان و اہل قرابت سے روگردانی اور بے وفائی سے روک سکتا ہے۔

خالص ماڈرن تعلیم اور مرد و زن کا اختلاط

اس قدر اخلاقی زوال، ناعاقبت اندیشی اور بے لگام خواہش پسندی کی وجہ خالص ماڈرن تعلیم اور مرد و زن کا اختلاط ہے، ان بچوں کو ایسے ماحول میں تعلیم دی جارہی ہے، جہاں شرم و حیاء کا نہ صرف فقدان ہے؛ بل کہ اس کی حوصلہ شکنی کی جاتی ہے اور اسے ترقی کی راہ میں رکاوٹ باور کرایا جاتا ہے، مذہب کو انسان کا ذاتی اور گھریلو معاملہ کہا جاتا ہے، اور ''انسانیت مذہب سے بلند تر چیز ہے''

جیسے الفاظ ان کے کانوں میں بار ہا ٹکراتے ہیں، جہاں ''سارے مذاہب یکساں ہیں'' مقبول ترین جملہ ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں لاشعوری طور پر بچوں کے دل و دماغ میں یہ بات پیوست ہو جاتی ہے کہ ہمارا مسلمان ہونا ایک اتفاقی چیز ہے (نہ کہ خدا کے فضل وانتخاب کا نتیجہ) اور اس وجہ سے ہے کہ ہم ایک مسلمان ماں باپ کے گھر میں پیدا ہوئے اور ہمارا کلاس فیلو ستیش ہندو اس لئے ہے کہ اس کی پیدائش ایک ہندو گھرانے میں ہوئی ہے، یہ باتیں تیزی سے ان کے وجدان واحساس پر اس لئے اثر ڈالتی ہیں کہ وہ عمر کے اس دور میں ہوتے ہیں جس میں ان کے جسم کی نشو ونما کے ساتھ، ان کا شعور و احساس، فکر وخیال بھی پروان چڑھتا ہے، عام طور پر ماڈرن تعلیمی ادارے تین سے چار سال کی عمر میں بچوں کا داخلہ لیتے ہیں، نرسری سے دسویں کلاس تک تیرہ سال خرچ ہوتے اور بچے کی عمر سولہ سے سترہ سال تک پہونچتی ہے، ماہرینِ نفسیات کے مطابق ذہنی وفکری تعمیر وتخریب کا سب سے اہم زمانہ یہی ہوتا ہے۔

.....فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

لیکن معاملہ اب صرف لادینیت تک محدود نہیں ہے، بل کہ اس سے بڑھ کر بہت سے پرائیویٹ اسکولوں کے رویے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے یہاں ایک خاص مذہب کو ترجیح حاصل ہے، اور اس مذہب کے عقائد وافکار، رسومات وتشخصات کو مسلم طلبہ کے اندر بھی داخل کرنے کی دانستہ کوشش کی جاتی ہے، اور ان کو اس عمل پر اس وجہ سے جرأت ہوتی ہے کہ انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ مسلمانوں کے پاس، عصری تعلیمی ادارے نہیں ہیں، کوئی متبادل نظام نہیں ہے، اور انہیں ہمارے یہاں ہر حال میں آنا ہوگا، آیئے چند حقیقی واقعات سے ہم اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں:

۱۔ راقم السطور کے علاقے کے ایک اسکول میں ایک دن اسمبلی (ترانے) میں تمام بچوں (جن میں مسلم بچے بھی تھے) کی پیشانیوں پر سرخ نشان لگا یا دیا گیا، بچوں کی جانب سے دبے لفظوں میں احتجاج کو نا قابل اعتناء سمجھا گیا، گھر جا کر بچوں نے والدین کو بتایا، بعض والدین نے اعتراض جتایا تو جواب ملا: اس میں کیا حرج ہے۔

۲۔ دہلی کے ایک اسکول میں زیر تعلیم ایک چھ سالہ بچے کو اس کی ماں نے سمجھاتے ہوئے کہا: بیٹا الحمد للہ ہم مسلمان ہیں، بیٹے نے برجستہ جواب دیا: نہیں میں تو..........ہوں، مسلمان نہیں ہوں ، ماں نے انتہائی حیرت سے پوچھا کیوں؟ معصوم بچے نے جواب دیا: اسکول میں سر کہہ رہے تھے کہ

مسلمان گندے، جاہل اور بھکاری ہوتے ہیں، جو مسجدوں کی سیڑھیوں پر بھیک مانگ رہے ہوتے ہیں جب کہ........ پڑھے لکھے اور مہذب ہوتے ہیں۔

۳۔ میں اپنے ایک دور کے عزیز کے گھر کسی کام سے گیا ہوا تھا، ان کا بیٹا جو ایک معیاری اور معروف مشنری اسکول میں دسویں کلاس سے فارغ ہونے والا تھا، میں نے اپنی دل چسپی کے مطابق اس سے اس کی تعلیم کے بارے میں کچھ سوالات کئے، ایک سوال آگے کی تعلیم کے سلسلے میں تھا، اس نے کہا: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ملیہ کے علاوہ کہیں بھی جائینگے، میں نے اس کی وجہ معلوم کی تو اس نے بتایا کہ ''ان دونوں جگہوں پر اسلامی اور دینی ماحول ہے اور میں مذہب کو گھر کی چیز سمجھتا ہوں تعلیم وغیرہ سے اس کا کیا تعلق'' یہاں پر مشنریوں کے تعلق سے کسی باخبر کی وہ بات یاد کیجئے کہ ان کا مقصد صرف مسلمانوں کو عیسائی بنالینا ہی نہیں ہے؛ بلکہ اسلام کے تئیں ان کے اعتماد یقین کو متزلزل کرنا بھی ان مقاصد میں شامل ہے۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی نے تقریباً ایک صدی قبل اسی قسم کے اداروں کے تعلق سے کہا تھا!

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ظلمت شب میں امید کی کرن

ان تشویشناک باتوں کے درمیان ایک خوش آئند بات یہ ہے کہ معاملہ سنگین ضرور ہے؛ تاہم ابھی بے قابو نہیں ہے، اگر ملت کے علماء، زعماء، دانشوران اور اصحاب خیر اس جانب فوری اور وسیع پیمانے پر توجہ فرمائیں تو ان شاء اللہ جلد از جلد اس خطرے کو نہ صرف ٹالا جا سکتا ہے؛ بل کہ ملت کے دینی مستقبل کو ایک طویل عرصے تک محفوظ بھی کیا جا سکتا ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے سب سے بڑا خطرہ

میں اپنی ناقص عقل وفہم کے باوجود، ملک کے موجودہ حالات کے جائزے، اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ پر بار بار طالب علمانہ نگاہ ڈالنے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس وقت اسلامیان ہند دینی و مذہبی اعتبار سے اپنی تاریخ کے دوسرے سب سے نازک موڑ پر کھڑے ہیں، پہلا موقع ۱۸۵۷ء میں آیا تھا: حکومت (برائے نام ہی سہی) چھن گئی تھی، انگریز فاتح قوم کی حیثیت سے ملک پر قابض ہو گئے تھے، جو عیسائیت کے پیروکار تھے اور عیسائیت اس وقت دنیا میں سب سے تیز رفتاری

سے پھیلنے والا مذہب تھا، انگریز اپنے مذہب کے حامی ہی نہیں داعی اور مبلغ بھی تھے، وہ اپنی سیاسی کامیابی کو اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل اور اس کی برکات کے طور پر پیش کرتے تھے اور مفتوح قوموں کی ساری ناکامیوں کو ان کے عقائد اور مذہبی پابندیوں کا نتیجہ کہتے تھے، ایسے حالات میں ذہنی ارتداد اور مذہبی آزادی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں، اس پس منظر میں ٹیپو سلطان شہید ؒ جیسی راسخ العقیدہ اور متدین شخصیت کے بیٹوں کے عقیدے کی خرابی کی وجہ سمجھ میں آسکتی ہے۔(۲)

اُس وقت اسلام کے وجود پر خطرہ منڈلا رہا تھا؛ کیوں کہ علماء کا وجود ہی خطرے میں تھا؛ اور کسی بھی مذہب کا بقاء اس مذہب کے علماء کے بغیر ناممکن ہے، علماء غداری کے الزام میں تہہ تیغ کر دیئے گئے، یا کالا پانی میں قید کر دیئے گئے یا پھر انہوں نے ہجرت کا راستہ اختیار کیا، علماء پیدا کرنے والی دینی درس گاہیں دم توڑ چکی تھیں، لیکن اللہ نے اپنے کچھ مخصوص بندوں کو سرمایہ ملت کی نگہبانی کے لئے بر وقت خبردار کیا، انہوں نے عوامی امداد پر دینی مدارس کا سلسلہ قائم فرمایا، جس کے نتیجے میں اسلام محفوظ ہوگیا اور اس کی جڑیں اسلامی معاشرے میں گہرائی تک پیوست ہوگئیں۔**فللہ الحمد و المنة** ۔

دوسرا نازک ترین موقع اب آیا ہے، جس سے ملت اسلامیہ گذر رہی ہے؛ کسی مذہب کے لئے دو سب سے بڑے چیلنج ہوتے ہیں۔ ایک اس کا وجود و بقاء، دوسرے اس مذہب کا اس کی اصل پر باقی رہنا، یعنی مذہب کا تحریف سے اور اس کے ماننے والوں کا فکری انحراف سے مامون رہنا، عیسائیت اس دوسرے قسم کی آزمائش سے دوچار ہوئی اور شکست کھا گئی، پولس (pols) نے عیسائیت کو ختم نہیں کیا، نہ ہی کر سکتا تھا؛ کیوں کہ کسی مذہب کی سیاسی مخالفت اسے مزید استقبال واستحکام بخشتی ہے، ہاں اِس نے عیسائیت کا ہمدرد بن کر اس کی روح کو ختم کر دیا اور اس کو یکسر تبدیل کر دیا؛ اس نے توحیدِ خالص کی تعلیم کو بڑی چابک دستی سے تثلیث، حلول و تجسم کا روپ دے دیا (عیسائیت کیا ہے:۲۸ تا ص:۹۶)۔

پولس اگر یہودی تھا تو دورِ حاضر کے یہودی دماغوں نے بھی اسلام کو اس کی اصل سے ہٹانے اور مسلمانوں میں فکری انحراف پیدا کرنے کو اپنا نصب العین بنالیا ہے، پولس کو کامیابی اس وقت ملی جب اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھ لیا، اور عیسائیوں کا ہمدرد بن بیٹھا، اسلام کو بھی داخلی طور پر مجروح کرنا اور اس کی روح پر ضرب لگانا اسی وقت ممکن ہوگا جب اس کے ''روایتی'' اور ''بنیادی'' افکار ونظریات پر اس طبقے کی طرف سے آواز اٹھنا شروع ہوگی جو خود مسلمان ہوگا ''اعتدال پسند مسلمان'' کہلائے گا، اسلام کو دوبارہ ''عزت'' دلانے کے لئے بے قرار ہوگا۔

مصر میں داڑھی رکھنے پر، ترکی میں عربی زبان میں اذان دینے اور عورتوں کے لئے حجاب پہننے پر پابندی اقوام متحدہ نے نہیں لگائی تھی ؛ بل کہ جمال عبدالناصر اور کمال اتاترک جیسے افراد نے لگائی تھی جو خود مسلمان تھے، یہودیوں کے دشمن کہلاتے تھے، جمعہ اور عید کی نماز بھی پڑھ لیا کرتے تھے، قرآن کی محفلیں قائم کرتے تھے، وہ ''مسلمان'' تھے اسی لئے ان کے انتقال کے بعد ان کی نماز جنازہ بھی ہوئی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی گئی؛ بالکل اسی طرح جس طرح پولس کی آخری رسومات عیسائی مذہب کے مطابق ادا کی گئیں، وہ مسلمانوں کے ایک طبقے کے نزدیک اسلام کے'' ہیرو'' تھے جیسے پولس آج بھی عیسائیوں کا ہیرو ہے۔

ہندوستان میں (برصغیر نہیں کیوں کہ اب پڑوس کے ملک میں حالات تیزی سے بدل رہے ہیں) اب تک مسلمان داڑھی کو واجب سمجھتے ہیں، اذان تو دور، جمعہ کا خطبہ بھی مقامی زبان میں دینے پر راضی نہیں، فلم سازی و بنی کے حرمت کے قائل ہیں، سود کی حرمت کو معاشی ترقی میں رکاوٹ سمجھ کر اس کے جواز کا مطالبہ نہیں کرتے، اسلام کی جدید کاری کا تقاضا نہیں کرتے، علماء کو قوم پر بوجھ نہیں رحمت سمجھتے ہیں اور مدارس کو اسلام کے قلعے یقین کرتے ہوئے اس میں کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کے سخت خلاف ہیں؛ ''اسلام میں مرد و زن میں کوئی تفریق نہیں ہے؛ اصل پردہ دل کا ہوتا ہے، اس لئے عورتوں سے پردہ اٹھا دینا چاہئے''، جیسی کوئی بات نہیں کہتے ؛ کیوں کہ ان میں ''کمال اتاترک'' اور'' جمال عبدالناصر'' پیدا نہیں ہوئے یا پیدا ہوئے تو وہ مسلمانوں کے ہیرو نہیں بن سکے۔

یہ سب اس وجہ سے ممکن ہوا کہ میکالے کے تعلیمی فارمولے کو یہاں کے مسلمانوں میں کبھی قبول عام حاصل نہیں ہوا، بالفاظ دیگر مسلم رہنماؤں نے اس سانپ کا تریاق تلاش کر لیا، انہوں نے مدارس کے پہلو بہ پہلو ابتدائی عصری تعلیم کے لئے مکاتب کا ایسا جال پھیلایا کہ مسلم بچے اسلام کے بنیادی عقاید افکار میں پختہ ہو کر میکالیائی نظام تعلیم میں داخل ہوئے تو ذہنی وفکری طور پر انگریز بن کر نہیں ؛بل کہ اقبالؒ اور اکبر الہ آبادیؒ جیسے مغربیت، الحادیت اور عقلیت پسندی کے مخالف بن کر نمودار ہوئے۔

کیا یہ برصغیر کے مسلمانوں کی بیدار مغزی نہیں کہ عصری تعلیم کو جائز سمجھنے اور اس کی معاشی اہمیت سے واقف ہونے کے باوجود علی گڑھ کالج (جو مسلمانوں کا ادارہ سمجھا جاتا تھا) میں اپنے بچوں کو تعلیم دلانے کے حوالے سے اس وقت تک محتاط رہے جب تک انہیں یہ اطمنان نہیں ہو گیا کہ وہاں کے ماحول میں ہماری نسلوں کے ایمان وعمل کے حفاظت ممکن ہے (۳)

لیکن اب ہمارا یہ امتیازی سرمایہ سخت خطرے میں ہے، اور اس کے اسباب خارجی کم، داخلی زیادہ ہیں؛ ایک بار پھر میں اس بات کا اعادہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس وقت ہم ایسے فیصلہ کن دوراہے پر کھڑے ہیں کہ یا تو اسلام اپنے تشخصات کے ساتھ اور مسلمان فکر ونظر کی سلامتی کیساتھ اس ملک میں صدیوں تک باقی رہیں گے؛ یا آئندہ چند دہائیوں میں یہ دیس مسلمانوں کے لئے اسپین تو نہیں (۴) لیکن مصر وترکی ضرور بن جائے گا۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

اس اجمال کی قدرے تفصیل یہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے (آئین میں اقلیتوں کو دیئے گئے حق کو استعمال کرتے ہوئے) عصری تعلیم کے ابتدائی اور ثانوی ادارے قائم کرنے میں کامیابی حاصل کرلی، جہاں اسلامی ماحول میں دین کی ضروری تعلیم سے بھی طلبہ کو آراستہ کردیا جائے اور مسلمانوں کی اکثریت انہیں اداروں سے گذر کر آگے بڑھتی رہی تو پھر کوئی خارجی طاقت زندگی کے کسی مرحلے میں نئی نسل کو متزلزل نہیں کرسکتی؛ اور اگر اس خطرے کو بھانپنے میں چوک ہوگئی، یا اس کا مقابلہ کرنے میں ہم پیچھے رہ گئے (لا قدر اللہ ذلك) تو پھر وہ دن دور نہیں جب اس ملک میں موثر پیمانے پر لبرل مسلمان پیدا ہوں گے جو کبھی راشد شاذ (۵) بن کر علماء ودینی اداروں پر حملہ آور ہوں گے تو کبھی طارق فتح کی شکل میں قرآن کریم کی منمانی تشریح کریں گے، شبانہ اور منیش کی کہانیاں وجود میں آئیں گی اور دھنک جیسی سنسنتھائیں بنیں گی۔

گذشتہ بیس سالوں میں ''اسلامک اسکولوں'' کے فقدان کی وجہ سے اغیار کی تعلیم گاہوں سے استفادہ کر کے جو نسل پروان چڑھی ہے، وہ اپنی فکری آزادی میں '' لبرل'' مسلمان ہی ہے، میرا ایک مرتبہ دہلی کی ایک پوش کالونی میں جانا ہوا، جہاں سارے رہائشی مسلمان تھے؛ گارڈن میں گھومتی ٹہلتی عورتوں کو دیکھ کر یورپ کے کسی ملک کا تصور ہوا؛ مسجد میں نماز پڑھنے گئے تو امام صاحب نے مسجد میں بیان کے لئے کہا، ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ پردے کے موضوع پر خطاب نہ کریں۔ بعد میں ناچیز نے اس کی وجہ معلوم کی تو بتایا گیا کہ رمضان میں ختم تراویح کے موقع پر کسی خطیب نے پردہ کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر بیان کردیا تھا تو عورتوں نے احتجاج درج کرایا جس کی وجہ سے مردوں نے یہ طے کردیا کہ اب پردہ پر کبھی بیان نہیں ہوگا۔

پوچھا جوان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا؟ ! کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا۔

آخری بات

مفکرِ اسلام مولانا علی میاں ندویؒ کی اس اپیل پر اپنی بات ختم کرتا ہوں:

''مانٹیسری قسم کے (انگلش) اسکول اب ضروری ہوگئے ہیں، میں مدرسے کا آدمی ہوں، اب بھی مدرسے کا ہی خادم ہوں؛ لیکن اس کے ساتھ میں آپ سے کہہ رہا ہوں، آپ اب زمانے کے تیور کو سمجھئے، اور آپ ہر جگہ ایسے اسکول قائم کیجئے، جہاں اچھے، خوش حال، تعلیم یافتہ لوگ اپنے بچوں کو بے تکلف بھیجیں، مسلم بچوں کے لئے ایسے اسکولوں کا قائم کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے، جہاں بقدر ضرورت دینیات سے واقفیت ہوجائے، نماز روزے کے پابند ہوجائیں، اردو پڑھ لکھ سکیں، اور وہ اپنے مسلمان ہونے پر فخر کریں؛ پھر یہ بھی ہے کہ جو غیر مسلم اسکولوں میں پڑھتے ہیں، آپ کا تعلیمی نتیجہ ان سے بہتر ہونا چاہئے، آپ کے بچے جب وہاں جائیں تو وہ ان کے مقابلے میں بہتر ہوں؛ اگر آپ اس میں کامیاب ہو لئے تو بڑی خدمت انجام دیں گے، اور کبھی یہ نہ سمجھئے گا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں (تحفۂ انسانیت ص:۸۶)۔

امید ہے کہ میری گذارشات صدا بصحرا ثابت نہیں ہونگی۔

مایوس نہ ہوان سے اے رہبرِ فرزانہ! کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

حواشی

(۱) غالب نے کہا ہے: کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا۔ علامہ نجیب الدین سمرقندی نے طب کی معروف اور مأخذ کی حیثیت رکھنے والی کتاب: العلل والاسباب میں عشق کو نفسیاتی بیماری کہا ہے۔

(۲) سلطان شہیدؒ کے بیٹوں خصوصاً بڑے بیٹے کو کلکتے میں، عبدالرحیم نامی انگریزی تعلیم یافتہ شخص نے واجب الوجود رسالت اور وحی کا منکر بنادیا تھا، جو سید احمد شہیدؒ کی کوششوں سے دوبارہ صحیح العقیدہ ہوگئے (سیرت سید احمد شہیدؒ ج ۱ ص ۳۲۷ تا ۳۳۰)۔

(۳) علی گڑھ سے مسلمانوں کی ایک طویل عرصے تک دوری کی وجہ یہ نہیں تھی کہ علماء نے انگریزی تعلیم کے حرمت کے فتوے دیئے تھے، یا مسلمان انگریزی تعلیم کو حرام سمجھتے تھے، جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے، بل کہ اس کی وجہ سرسید کے بارے میں یہ شہرت تھی کہ ان کے بعض عقائد، جمہور سے الگ ہیں۔ ، اور مسلمان انہیں ''فتنہ ملت بیضاء'' اس لئے گردانتے تھے کہ وہ ''مسلماں کو سلاطیں کا پرستار'' بنانے کے لئے کوشاں تھے۔

(۴) ناچیز کی رائے میں ہندوستان مسلمانوں کے حق میں کبھی دوسرا اسپین (نان مسلم اسٹیٹ) نہیں بن سکتا، اس کی وجہ مدارس دینیہ کے ساتھ نسلی اور جغرافیائی حالات بھی ہیں۔

(۵) راشد شاز اسلام میں جدید کاری کے جدید علمبرداروں میں ہیں، بہار سے تعلق ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، ان کے افکار وخیالات میں پسپائیت کا عنصر غالب ہے، دارالعلوم دیوبند نے انکے انحرافات پر تفصیلی فتوی جاری کیا ہے، ان کے افکار کو سمجھنے کے لئے ان کی کتاب: مسلم ذہن کی تشکیل جدید کا مطالعہ کریں۔

نیٹ ورک مارکٹنگ (ملٹی لیول مارکیٹنگ) کی حقیقت اور شرعی حکم

مولانا مفتی منظور احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ عزیزیہ، سہریا، نظام آباد، اعظم گڈھ

سوال:۔ آج کل بعض کمپنیاں مثلاً آر، سی، ایم (R.C.M.) اور ایموے (AMWAY) وغیرہ نے تجارت کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے، جسے نیٹ ورک مارکٹنگ یا ملٹی لیول مارکٹنگ کہا جاتا ہے، اس تجارت کا طریقہ یہ ہے کہ کمپنی کی مصنوعات کھلی مارکیٹ میں فروخت نہیں ہوتیں بلکہ جو شخص کمپنی کا ممبر بنتا ہے اس کو کمپنی کی مصنوعات فراہم کی جاتی ہیں۔ کمپنی کو کوئی ممبر جو ممبری فیس ادا کرتا ہے اس میں کچھ رقم کو متعینہ سامان کی قیمت قرار دیا جاتا ہے اور کچھ کو فیس رکنیت، ساتھ ہی ساتھ اس ممبر کو ایک اہم سہولت یہ دی جاتی ہے کہ وہ جن لوگوں کو ممبر بناتا ہے اور کمپنی کا سامان خریدنے کے لئے آمادہ کرتا ہے اس پر کمپنی اسے کمیشن دیتی ہے، پھر یہ کمیشن صرف ان خریداروں تک محدود نہیں رہتا جن کو اس نے براہ راست خریدار بنایا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ بنے ہوئے خریدار سے آگے جو خریدار بنے ہوئے ہیں ان کی خریداری پر بھی پہلے شخص کو کمیشن ملتا رہتا ہے، اور مرحلہ وار یہ سلسلہ بہت آگے تک چلا جاتا ہے، بعض کمپنیاں تعلیم اور خاص کر کمپیوٹر تعلیم کے لئے اس طریقۂ کار کو اختیار کرتی ہیں اور اپنے گاہک کو سی، ڈی (C.D.) فراہم کر کے یہ شرط عائد کرتی ہیں کہ وہ غریب بچوں کو مفت تعلیم دیں، گویا انھوں نے اس میں تجارت کے ساتھ ساتھ خدمت خلق اور اشاعت علم کے پہلو کو بھی شامل کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں کا ممبر بن کر مذکورہ طریقۂ تجارت میں شریک ہونا شرعاً کیسا ہے؟ مدلل ومفصل جواب سے نوازیں۔

جواب:۔ مذکورہ کمپنیوں کا ممبر بننا اور اس کے طریقۂ تجارت میں شریک ہونا شرعاً جائز نہیں ہے، اس لئے کہ ملٹی لیول مارکیٹنگ کی مذکورہ شکلیں مختلف مفاسد اور خلافِ شرع امور کو شامل ہیں جو درج ذیل ہیں۔

(۱) مذکورہ معاملۂ بیع میں چونکہ رکنیت وممبری (اجیر) کی شرط ہے جس کا عقد نہ تو مقتضی ہے اور نہ اس کے مناسب ہے، لہٰذا یہ صورت بیع بالشرط کے دائرہ میں آتی ہے جو کہ فاسد ہے، چنانچہ حدیث میں بیع بالشرط کی ممانعت ہے، **نهى النبي ﷺ عن بيع وشرط** (طبرانی) کہ نبی ﷺ نے بیع کے ساتھ کوئی شرط لگانے سے منع فرمایا ہے۔ اور ہدایہ اخیرین میں ہے: **كل شرط لا يقتضيه العقد وفيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه وهو من أهل الاستحقاق فيفسد** یعنی ایسی شرط کہ جس کا عقد مقتضی

نہ ہو اور اس میں متعاقدین میں سے کسی کا نفع ہو، یا معقود علیہ جبکہ وہ اہل استحقاق میں سے ہو اس کا نفع ہو، تو یہ عقد بیع فاسد ہے۔ (ج:۳،ص:۴۳)

(۲) ممبر کے لئے ایک متعینہ رقم کا سامان کمپنی سے خریدنے کی شرط لگانا، یا اسی طریقہ سے ممبر کے لئے سی، ڈی فراہم کر کے غریب بچوں کو مفت تعلیم دینے کی شرط لگانا تقاضۂ بیع کے خلاف ہے، یہ صورت بھی بیع بالشرط کے دائرہ میں آتی ہے، جو کہ جائز نہیں ہے۔

(۳) اس طریقۂ تجارت میں ایک ہی عقد میں دو معاملات (دو سودے) ہوتے ہیں جسے حدیث میں منع کیا گیا ہے، ایک تو عقد بیع، دوسرے عقد اجارہ یعنی ممبر واجیر بننے کا تعاقد کہ جو ممبر ہوتا ہے وہ کمپنی کا اجیر بھی ہوتا ہے، اس کے ذمہ دوسروں کو ممبر بنانا، کمپنی کے کارکنوں کے ساتھ تعاون کرنا مثلاً کمپنی اور اس کے طریقۂ کار کا تعارف کرانا، اس کے سامان کی اہمیت بتلانا، لوگوں کے شکوک وشبہات کو دور کرنا، ان کو سمجھانا، اسی سب محنت کا اسے کمیشن ملتا رہتا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں ہے: **نھی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی بیعةٍ** اور ایک دوسری روایت میں ہے: **نھی رسول اللہ ﷺ عن بیعتین فی صفقةٍ** (مشکوٰۃ شریف، ج:۲،ص:۲۴۸) ایک اور روایت میں ہے: **نھی النبی ﷺ عن صفقتین فی صفقةٍ رواہ احمد** (ہدایہ اخیرین، ج:۳،ص:۴۴) تینوں روایتوں کا مطلب ایک ہی ہے کہ نبی کریم نے ایک ہی عقد میں دو معاملہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔

(۴) کمپنی کے مذکورہ طریقہ میں چونکہ کمپنی ممبر بننے والے کی کچھ رقم بلاتعیین سامان (مبیع) کی قیمت اور کچھ رقم ممبری فیس میں شمار کرتی ہے اس لئے مبیع کی قیمت بھی مجہول ہے جو کہ مفسد عقد ہے، **کما فی کتب الفقہ**، اور ممبر واجیر کی اجرت جو کمیشن کی صورت میں ملتی ہے وہ اجرت بھی مجہول ہے، اور عقد اجارہ میں اجرت کی جہالت بھی مفسد عقد ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے: **لایصح حتیٰ تکون المنافع معلومة والاجرة معلومة** کہ عقد اجارہ صحیح نہیں ہوتا یہاں تک کہ منافع اور اجرت معلوم ہوں (ہدایہ اخیرین، ج:۳،ص:۲۷۷) اور البحر الرائق میں ہے: **إذا کان ماوقع علیہ عقد الاجارة مجھول فی نفسہ أو فی أجرة أو فی مدة الاجارة أو فی العمل المستاجر علیہ فالاجارة فاسد** یعنی جس پر عقد اجارہ ہو اگر وہ فی نفسہ مجہول ہو، یا اجرت میں جہالت ہو، یا مدت میں جہالت ہو، یا متاجر کے عمل میں جہالت ہو تو اجارہ فاسد ہوتا ہے۔ (ج:۷،ص:۳۱۲)

(۵) جن لوگوں کو ممبر اول نے ممبر نہیں بنایا ہے بلکہ ممبر اول کے واسطے سے بنے ہوئے ممبروں نے ممبر بنایا ہے، تو ان کی خریداری پر بھی ممبر اول کو کمیشن ملتا ہے، یہ بلاعوض ومحنت کے ہے، جو کہ رشوت اور شبہ ربوٰ کے دائرے میں آتا ہے جو کہ شریعت میں حرام ہے۔

(۶) ممبر کے اجیر اور مشتری ہونے کی صورت میں کمپنی نے ممبری فیس کے نام پر جو رقم لی ہے وہ رقم

بلا وجہ اور بلا عوض ہے، وہ بھی رشوت اور شبہ ربوٰ کے دائرے میں آتی ہے اور حرام ہے۔

(۷) اس نظامِ تجارت میں دھوکہ اور غرر بھی ہے، اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ آخری ممبر کے لئے کوئی آدمی ہی نہ بچے جسے یہ کمپنی کا ممبر بنا سکے، یا یہ کہ کبھی کمپنی کی اسکیم فیل ہوجائے اور کمپنی بیٹھ جائے (اور ایسا ہوتا رہتا ہے) تو کمپنی فیل ہونے سے کچھ ہی پہلے یا ایک دو روز پہلے جو ممبر بنے ہیں جن کی تعداد پورے نیٹ ورک میں بہت ہوسکتی ہے، تو اب ان تمام آخری ممبروں کو ممبر بنانے کا موقع ہی نہیں ملا، کیونکہ کمپنی فیل ہوچکی ہے، لہٰذا ان دونوں صورتوں میں ان آخری ممبروں کو نہ تو کوئی کمیشن وفائدہ حاصل ہوگا اور نہ ہی ان کی رکنیت فیس واپس ملے گی، یہ ایک قسم کا دھوکہ وغرر ہے، جو عقد بیع میں لازم آیا ہے جسے شریعت میں منع کیا گیا ہے، چنانچہ حدیث میں ہے: **نهىٰ رسول الله ﷺ عن بيع الغرر** ، کہ رسول اللہ ﷺ نے دھوکہ کی بیع سے منع فرمایا ہے۔ اور فقہی قاعدہ **لاضرر ولاضرار في الاسلام** (کہ اسلام میں نہ دھوکہ کھانے اور نہ دھوکہ دینے کی اجازت ہے) کی رُو سے بھی یہ معاملہ غیر شرعی ہے۔

(۸) کمپنی کی اس اسکیم میں قمار (جوا) کا بھی پہلو ہے، اس لئے کہ اس میں شریک ہونے والا جو مال لگاتا ہے وہ اس خطرے سے ہمیشہ دوچار رہتا ہے کہ اس کو اپنے مال کے عوض نفع حاصل ہوگا یا نہیں، کیونکہ وہ شخص باوجود محنت وکوشش کے ممبر نہ بنا سکے تو اس کو اپنی رکنیت وممبری فیس کے عوض یا اپنی محنت وکوشش کے عوض کوئی نفع بھی حاصل نہ ہوگا اور نہ ہی اس کی ممبری فیس واپس ملے گی، بلکہ ممبری فیس کی صورت میں اس کا مال ضائع ہوا، یا بلفظ دیگر ایسی صورت میں ممبر کا نقصان ہوا اور کمپنی کا فائدہ۔

(۹) اس طریقۂ تجارت کی بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح کی کمپنیوں میں زیادہ دیر اور زیادہ دور تک چلنے کی صلاحیت نہیں ہوتی، کیونکہ جن علاقوں میں یہ کمپنی پہونچی اور جن کو ممبر بننا سمجھ میں آیا وہ اگر چند ہی دن میں ممبر بن جائیں تو اسی حد پر جاکر کمپنی کا نظام رک جائے گا، اس صورت میں تمام آخری ممبروں کو کمپنی کی طرف سے نہ کوئی کمیشن ملے گا اور نہ ہی ممبری فیس واپس ہوگی، ان شرکاء کا نقصان اور کمپنی کا فائدہ ہوا، لہٰذا اس معاملہ میں دھوکہ بھی ہے اور قمار (جوا) بھی۔

(۱۰) ان کمپنیوں کے طریقہ میں دھوکہ وفریب کی بابت بعض علاقوں میں بہت سے لوگوں کا تجربہ ہے، بلکہ بعض کمپنی کے ممبر اور شریک تجارت ہونے والوں کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ دراصل اس طرح کی کمپنیاں بہت معمولی لوگوں کو مثلاً چھ سات فیصد لوگوں کو کمیشن دے کر چورانوے فیصد لوگوں کو دھوکہ میں رکھ کر ان کی رقمیں صرف حاصل کرتی ہیں، یا کبھی دیکھا کہ ایک حد تک ممبر بن چکے ہیں اور خاصی رقم ممبری فیس کی صورت میں کمپنی کو حاصل ہوچکی ہے بس اچانک سننے میں آیا کہ کمپنی فیل ہوگئی اور اس کے ذمہ دار وکارکنان لاپتہ ہوگئے۔ **هٰذا ما خطر ببالي والعلم عند الله وعلمه أتم وأحكم**

☆☆☆☆☆